دیوان حالی

خواجہ الطاف حسین حالی

انٹرنیٹ ایڈیشن سال 2006 www.Nayaab.Net

فہرست

۲۰ویسے خیال دوست بھلایا نہ جائے گا

۲۱۔قلق اور دل میں سوا ہو گیا

۲۲۔اک خوشی ہو گئی ہے تحمل کی ورنہ

۲۳۔دردِ دل کو دوا سے کیا مطلب

۲۴۔مجھ میں وہ تاب ضبط شکایت کہاں ہے اب

۲۵۔یہ ہیں واعظ، سب پہ منہ آتے ہیں آپ

۲۶۔گو جوانی میں تھی کج رائی بہت

۲۷۔اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت

۲۸۔تو نہیں ہوتا ہے تو دل ہوتا ہے اچاٹ

۲۹۔باپ کا ہے جبھی پسر وارث

۳۰۔بھید اپنا کھلوایا عبث

۳۱۔چپ پر اپنی بھرم تھی کیا کیا کچھ

۳۲۔ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا، بولنا

۳۳۔ہے ادب مسند پہ، جو کچھ ہے رئیس شہر کا

۳۴۔کاٹیے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح

۳۵۔مے مغاں کا ہے چسکا، اگر برا، اے شیخ

۳۶۔گر دردِ دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا

۳۷۔ہیں خوف اور کہیں غالب ہے رجا اے زاہد

۳۸۔پیاس تیری لوئے ساغر سے لذیذ

۳۹۔اس کے کوچے میں ہے وہ بے پر و مال

۴۰۔گو شفا سے یاس پہ، جب تک ہے دم میں ہے دم

۴۱۔ گھر ہے وحشت خیز اور بستی اجاڑ

۴۲۔ غالب و شیفتہ، و نیر و آزردہ ذوق

۴۳۔ خیر ہے اے فلک چار طرف

۴۴۔ یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے

۴۵۔ غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے چار طرف سے

۴۶۔ زہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں، دعائیں مستجاب

۴۷۔ چاہیے اک سب کا ہو مقصود

۴۸۔ تو بھی کھانے میں نہیں محتاج اے شیخ

۴۹۔ نکل آئے گی مے کشی کی بھی حلت

۵۰۔ اے بہارِ زندگی الوداع

۵۱۔ یا رب نگاہِ بد سے چمن کو بچائیو

۵۲۔ زاہدو؟ ہم تو تھے ہی آلودہ

۵۳۔ غرور و حرص ہیں زیورِ عروسِ دنیا کے

۵۴۔ دلوں کا کھوٹ آ کر کہیے برملا

۵۵۔ عالمِ آزادگاں ہے، اک جہاں سب سے الگ

۵۶۔ صلح ہے اک مہلتِ سامانِ جنگ

۵۷۔ ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل

۵۸۔ صحبتیں اہلِ ورع کی سب گئیں نظروں سے گر

۵۹۔ کرتے ہیں طاعت، تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں

۶۰۔ لینے دو چین کوئی دمِ لے کر منکر و نکیر

۶۱۔ کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہے

۶۲۔ جب سے سنی ہے تیری حقیقت، چین نہیں اک آن ہمیں

۶۳۔ خوب راحت میں وہ لذت تیری، اے پیری نہیں

۶۴۔ عقل کی بات کوئی ہم نے کہی ہے شاید

۶۵۔ بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار

۶۶۔ گو، رو چکے ہیں دکھڑا سو بار قوم کا ہم

۶۷۔ یارب اس اختلاط کا انجام ہو، بخیر

۶۸۔ زبان تقریر سے قاصر، قلم تحریر سے عاجز

۶۹۔ اب وہ اگلا سا التفات نہیں

۷۰۔ کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غم ہجراں میں نہیں

۷۱۔ غم فرقت ہی میں مرنا تو دشوار نہیں

۷۲۔ میں تو میں غیر کو اب مرنے سے انکار نہیں

۷۳۔ وحشت میں تھا خیال گل و یاسمن کہاں

۷۴۔ کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں

۷۵۔ مرے دل میں ہو گو مجھ سے نہاں ہو

۷۶۔ دل کو کسی طرح سمجھے، کہ وہی ہے یہ دل

۷۷۔ در فیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ

۷۸۔ بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ

۷۹۔ وفا اغیار کی اغیار سے سن

۸۰۔ ہے ان کی دوستی پر، ہم کو تو بدگمانی

۸۱۔ جو کچھ ہے سو ہے اس کے تغافل کی شکایت

۸۲۔ فیصلہ گردش دوراں نے کیا ہے سو بار

۸۳۔ہوا کچھ اور ہی ہے عالم میں چلتی جاتی

۸۴۔بری اور بھلی سب گزر جائے گی

۸۵۔سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی

۸۶۔اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی

۸۷۔برائی ہے رندوں میں بھی شیخ لیکن

۸۸۔وصل کا اب بھی دل زار تمنائی ہے۔

۸۹۔اتنی ہی دشوار، اپنے عیب کی پہچان ہے

۹۰۔بزم دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اس وقت

۹۱۔جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تف کیجیے

۹۲۔فکر فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی

۹۳۔سعی سے بہتر تن آسانی میری

۹۴۔پردے بہت وصل میں بھی درمیاں رہے

۹۵۔حق وفا جو ہم جتانے لگے

۹۶۔دوستوں کی بھی نہ ہو پرواہ جیسے

۹۷۔خط آنے لگے شکوہ آمیز ان کے

۹۸۔ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر

۹۹۔ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے

۱۰۰۔بہت لگتا ہے دل صحبت میں اس کی

۱۰۱۔دھوم تھی اپنی پارسائی کی

۱۰۲۔دور پہنچی تھی اپنی آزادی

۱۰۳۔شیخ جب دل ہی دیر میں نہ لگا

رباعیات

قصائد

قطعات

اشعار متفرق

مثنوی

دیباچہ

متاعِ بے بہا ہے شعر حالی
مری قیمت میری گفتار سے پوچھ

حالی بلا مبالغہ، نظم گوئی اور غزل گوئی کے اعتبار سے عظیم اور منفرد شاعر ہیں۔ یہ خیال باطل ہے کہ ان کا کلام مقصدیت کے زور میں بوریت کا شکار اور دلکشی سے عاری ہے۔ جس شخص نے غالب جیسے عظیم شاعر سے اصلاح لی ہو، اور جسے،،،، غالب نے یہ مشورہ دیا ہو کہ وہ شاعری ترک نہ کرے...... اس کی شاعری دلچسپی اور معنویت سے کس طرح خالی ہو سکتی ہے۔ ہاں...... البتہ حالی کا مسلک ناموری نہیں تھا بلکہ ان کا رجحان قومی اصلاح کی طرف تھا...... حالی نے تو پستی، زبوں، حالی، غلامی، مایوسی اور بے عملی کے شکار مسلمانوں کے فوری علاج کے لئے ایک نسخہ کیمیا تجویز کیا، گذشتہ عظمتوں کی یاد دلا کر۔ حال کی پستیوں پر ندامت دلا کر، اور دوسری قوموں کے عروج کی تصویر دکھا کر مسلمانوں کی قوت عمل میں حرکت پیدا کرنا چاہتے تھے۔

جو تمدن کی عمارت تھے گئے، اسلاف چھوڑ
مٹ رہے ہیں جو ہیں اپنی آن پر مچلے ہوئے
ساتھ انہیں دینا پڑے گا، یاں زمانے کا ضرور
ورنہ رہنا ہوگا دنیا میں بہ حال مبتذل؟

حالی کے حساس اور درد مند دل نے اندھیروں کی ساکن، سیاسی سماجی، اقتصادی، اور اخلاقی اعتبار سے کچلی ہوئی قوم کے لئےقومی شاعری کا دیا جلایا۔...... بقول پروفیسر محمد خالد، مولانا حالی نے جس قومی شاعری کی بنیاد رکھی

تھی۔اس پر علامہ اقبال نے ایک عالیشان عمارت تعمیر کرنے کا کام سرانجام دیا۔

اتفاق قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل
رائی کو کرتی ہے جو پربت وہ قوت ہے یہی
جو اپنے ضعف کا کچھ کرتی نہیں تدارک
قومیں وہ چندروزہ دنیا میں مہمان ہیں۔

حالی نے اپنی نظم ونثر سے پوری قوم کو متاثر کیا...... ان کے مشہور عالم مسدس، مدوجذر اسلام کی تاثیر کا یہ عالم تھا، کہ اس کے اشعار جہاں بھی پڑھے جاتے لوگ بے اختیار رونے لگتے۔حالی کا دل مسلمانوں کی شکست وریخت پر کڑھتا ہی رہا

سینہ کوبی ہی رہی جب تک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا
آئے ہیں اس غرض سے سب مل کے تاکہ سوچیں
دنیا میں کس طرح سرسبز ہو پھر مسلمان

حالی اپنے اشعار واقوال دونوں راگوں سے قوم کو عمل پر اکساتے، اور تعمیر و ترقی پر راغب نظر آتے ہیں۔اپنی اصلاحی شاعری کی وجہ سے ہی وہ سعدی ہند کہلاتے ہیں۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

حالی کی جدید شاعری اصلاح قوم،فلسفہ اور اخلاق کے مضامین پر مبنی ہے۔مگر قدیم دور کی شاعری میں روائیتی غزل گوئی کی پوری سج دھج ملتی ہے، انہوں

نے بھی حسن وعشق اور گل بلبل کے سنگیت الاپے۔

جو دل پہ گزرتی ہے، کیا تجھ کو خبر ناصح
کچھ ہم سے سنا ہوتا، پھر تو نے کہا ہوتا

یا رب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر
تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں

عشق کی داخلیت ہی سے غزل میں تغزل کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔حالی کی خارجی موضوعات پر مبنی غزلیں، اور نظمیں، پاکیزگی زبان، اور بلندی خیال کی مظہر تو ہوسکتی ہیں۔مگر ان میں وہ حسین شے نہیں ملتی، جس کا تعلق روح اور وجدان سے ہے۔عشق تو خارجیت کو بھی اپنے اندر سمولیتا ہے۔حالی کا دل بھی عشق سے خالی تو نہ تھا۔مگر وہ اس سے دامن بچاتے ضرور نظر آتے ہیں۔

جیتے جی تم موت کے منہ میں نہ جانا ہرگز
دوستو، دل نہ لگانا، نہ لگانا ہرگز

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا، اس کو بٹھا کے چھوڑا

دراصل حالی غزل کو ہوا اور ہوس کی دنیا سے نکال کر اعلیٰ انسانی جذبات کی ترجمان بنانا چاہتے ہیں۔اور اس کے لئے لازماً انہیں تشبیہات واستعارات کے گل بوٹوں اور صنائع وبدائع کی مہک سے دامن بچا کر، روزمرہ محاورہ، اور سادہ وآسان تراکیب کو اپنانا پڑا۔

معنی کا تم نے حالی، دریا اگر بہایا
یہ تو بتاؤ حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا

لذت تیرے بیان میں آئی کہاں سے یہ
پوچھیں گے جا کے حالی جادو بیان سے ہم

حالی گو سایۂ عشق بتاں سے بھاگتے رہے، مگر پھر بھی ان کے اشعار میں تغزل کا رچاؤ، اور ان کی ذوقی، رنگینی چھلکتی ہے۔ بقول فراق گھورکھپوری، سچ پوچھے تو دلی کے تغزل کی روائتیں، حالی ہی کے دھیمے سروں میں زندہ تھیں۔ اور داغ کی لپکتی ہوئی آوازوں میں وہ کچھ سے کچھ ہو گئی تھیں۔

منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے
تم کو عادت ہے خود نمائی کی
ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی، تو مگر کہاں

حالی اپنی شاعری میں، مظاہر فطرت کی سچائیوں پر بھی ایمان لاتے نظر آتے ہیں، ان کے ہاں تاریخ، نباتات، اور انسانی زندگی گھٹتی بڑھتی، پھیلتی، پھولتی، اور دم توڑتی نظر آتی ہے۔

صدا اور ہے بلبل نغمہ خواں کی
کوئی دم میں رحلت ہے اب گلستاں کی
نہیں کرتے کھیتی میں وہ جانفشانی
نہ ہل جوتتے ہیں، نہ دیتے ہیں پانی
بہت یاں ہوئے خشک چشمے ابل کر
بہت باغ چھانٹے گئے، پھول بن کر
گردش افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وار
تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر کرنے لگی بہار

حالی کو منظر نگاری پر بھی قدرت حاصل تھی، ان کی نظم برکھارت میں برسات کی دلکش منظر کشی کی گئی ہے۔بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی، یہ ان کے شدید احساس، گہرے شعور، اور وسیع تجربے کا نتیجہ ہے۔

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پر برپا
ہے ابر کی فوج آگے، آگے
اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے

حالی ایسے سنجیدہ مزاج کے ہاں بھی ظرافت اور فطری شوخیوں کی لطیف جھلک نظر آتی ہے۔حالی نے واعظوں اور زاہدوں کو ہی ہدف نہیں بنایا، بلکہ اپنی ذات پر بھی پھبتیاں کسیں۔

واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذات خدا
ورنہ بے عیب زمانے میں چلن کس کا ہے
ان کو حالی بھی بلاتے ہیں، گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

حالی اصلاح گو شاعر ہیں۔اور ان کی شاعری ہمیں مذہب، اخلاق، اور اعلٰی انسانی ہمدردی، و مساوات سے روشناس کراتی ہے۔ان کے ہاں ہمیں حقیقی زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔زندگی کی بے کیف، اور سیدھی سادی باتوں کو بے تکلفی اور برجستگی سے سمو دینا حالی کا انفرادی فن ہے

حال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکاں سب سے الگ

فرحت صبا

غزلیات قدیم وجدید

چونکہ بہت سی رونقیں قدیم غزلیات میں اور بہت سی جدید غزلیات میں نہیں تھیں۔اس لئے ہر ایک ردیف میں دونوں قسم کی غزلیں ملا،جلا کر لکھ دی گئی ہیں۔اور تمیز کے لئے ہر قدیم غزل کے شروع میں حاشیہ پر حرف ق لکھ دیا گیا ہے۔تاکہ ناظرین اندازہ کرسکیں،کہ قدیم وجدید غزل میں کیا فرق ہے۔

حمد

(۱)

قبضہ ہو دلوں پہ کیا اس کے سوا تیرا
اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا
بندے سے مگر ہو گا حق کیونکہ ادا تیرا

محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم
کچھ کہہ نہ سکا جس پر یہاں بھید کھلا تیرا

جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی
کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

عظمت تیری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یہاں
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط ان کو
جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا

نشہ میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور بے خود
جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

ہر بول تیرا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے
کچھ رنگ بیاں حالی ہے سب سے جدا تیرا

☆☆☆

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں
لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا
دل ہو کہ جان تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے
دل ہے سو چیز تیری جاں ہے سو مال تیرا
بیگانگی میں حالی یہ رنگ آشنائی
سن ،سن کے سر دھنیں گے قال،اہل حال تیرا

☆☆☆

جو لاکھ میں ایک پر کہیں، کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا
ملا نہ کھوج اس کا، پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا، ہزار دیکھا
لگن میں تیری نکل گئے جو، نہ جھجکے دریائے پر خطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے، نہ وار دیکھا نہ یار دیکھا
بچے ہوئے کاہشوں سے یاں کی، وہی ہیں جو تیرے ہو رہے ہیں
وگرنہ زخموں سے حادثوں کے، ہر ایک سینہ فگار دیکھا
چمن میں بھولے سے جا بھی نکلے، اگر کبھی داغدار تیرے
گل ان کی نظر میں چبھتے دیکھا، کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا
بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی، تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بے کار تجھ کو پایا، کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

نعت

اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اٹھے گھٹا
دوڑ پڑے سوئے حق کاٹ کے سب بیڑیاں،
امیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا
خاک تھی جس ملک کی مزرع شر و فساد
تو نے اسی کو دیا ارض مقدس بنا
سلسلہ انبیا ختم نہ ہوتا اگر
حق کی حقیقت سے تو پردہ دیتا نہ اٹھا
تجھ پہ صلوات و سلام رب سموات سے
روز شب و صبح شام قدر مال وصلے

☆ ☆ ☆

(۳)

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کر چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا
رایوں کے راج چھینے، شاہونکے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
فرہاد کوہ کن کی لی تو نے جان شیریں
اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا
یعقوب سے بشر کو دی تو نے ناصبوری

یوسف سے پارسا پر بہتاں لگا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جہاں کی
عقل و خرد کا تو نے خاکہ اڑا کے چھوڑا سا

افسانہ تیرا رنگیں، رو داد تیری دلکش
شعر و سخن کا تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

☆☆☆

(۴)

دیکھ اے امید کچھ نہ ہم سے تو کنارہ
تیرا ہی رہ گیا ہے لے دے کے اک سہارا

یوں بے سبب زمانہ پھرتا نہیں کسی سے
اے آسماں کچھ اس میں تیرا بھی ہے اشارہ

میخانہ کی خرابی جی دیکھ کے بھر آیا
مدت کے بعد کل واں جا نکلے تھے قضا را

اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے
اے زاہدو تمہارا ہے اس میں کیا اجارہ

دنیا کے خر خشوں سے چیخ اٹھتے تھے ہم اول
آخر کو رفتہ، رفتہ، سب ہو گئے گوارہ

انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے
جتنے ہنر تھے اپنے عالم میں آشکارا

افسوس اہلِ دیں بھی مانندِ اہلِ دنیا
خود کام و خود نما ہیں، خود بیں ہیں اور، خود آرا

☆☆☆

(۵)

کھولی ہیں تم نے آنکھیں اے حادثو ہماری
احساں یہ نہ ہرگز بھولیں گے ہم تمہارا
ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رو دیے سواروں
ہے لاکھ، لاکھ من کا اک، اک قدم تمہارا
رستے میں گر نہ ٹھہرے تو تم بھی جا ملو گے
گزرا ابھی ہے یاں سے خیل و حشم تمہارا
پھرتے ادھر ہو کس کی تلاش میں تم
گم ہے تمہیں میں یارو باغِ ارم تمہارا
جادو رقم توانیں ہم دل سے تم کو حالی
کچھ کر کے بھی دکھائے زورِ قلم تمہارا

☆☆☆

(۶)

دلی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر
گویا نہ رہا اب کوئی دنیا میں ٹھکانہ
افسوس کہ غفلت میں کٹا عہدِ جوانی
تھا اب بقا گھر میں، مگر ہم نے نہ جانا
یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی

اب واقعہ سب اپنا پڑا، ہم کو سنانا
لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت
فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانہ
ڈھارس سی کچھ اے ہم قدمو، تم سے بندھی ہے
حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

☆☆☆

(۷)

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسہ نہ کیجیے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا،بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا
ہو لاکھ ،غیروں کا غیر کوئی،نہ جاننا اس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا
سنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعویٰ
یہ کہہ دو ،دعویٰ ،بہت بڑا ہے،پھر ایسا دعویٰ نہ کیجیے گا
کہے کوئی اگر تم کو واعظ، کہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہو
زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی، کچھ اس کی پرواہ نہ کیجیے گا
لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد، نہ دردِ الفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجیے گا جو ترکِ دنیا نہ کیجیے گا

☆☆☆

(۸)

ہو عزم دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا
آتا ہے دور ہی سے ہم کو نظر گھر اپنا

قید خرد میں رہتے آتے نہیں نظر، ہم
وحشت رہے گی دل کی دکھلا کے جوہر اپنا

بیگانہ وش ہے گر وہ تو ہے ہمارے ڈھب کا
ایسوں ہی سے نبھا ہے، یارانہ اکثر ہمارا

کچھ کذب وافترا ہے، کچھ کذب حق نما ہے
یہ ہے بضاعت اپنی،اور یہ ہے دفتر اپنا

غیروں کو لیں گے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنوں ہی سے ہے حالی، کچھ دل مکدر اپنا

☆☆☆

(۹)

نفس دعویٰ بے گناہی کا سدا کرتا رہا
گرچہ اترے جی سیدل اکثر ابا کرتا رہا

حق نے احساں نہ کی اور میں نے کفران میں کمی
وہ عطا کرتا رہا،اور میں خطا کرتا رہا

چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
چپکے چپکے، نفس خائن کا کہا کرتا رہا

طاعنوں کی زد سے بچ، بچ کر چلا راہ خطا

وار، ان کا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا
نفس میں جو ناروا خواہش، ہوئی پیدا کبھی
اس کو حیلے، دل سے گھڑ، گھڑ کر روا کرتا رہا
منہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا، اگر جانیں کہ میں
ان سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
تھا نہ استحقاق تحسیں پر سنی تحسیں سدا
حق ہے جو دوں ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا
شہرت اپنی جس قدر بڑھتی گئی آفاق میں
کبر نفس اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا
ایک عالم سے وفا کی تو نے اے حالی مگر
نفس پر اپنی سدا ظالم جفا کرتا رہا

☆☆☆

(۱۰)

سخن میں پیروی کی گر سلف کی
انہیں باتوں کو دہرانا پڑے گا
تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ
یہ عقدہ ہم کو سمجھانا پڑے گا
بہت یاں ٹھوکریں کھائی ہیں ہم نے
بس اب دنیا کو ٹھکرانا پڑے گا
نہیں بو انس کی اس غم کدے میں
کہیں دل جا کے بہلانا پڑے گا

دل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے
ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا
زمانہ کر رہا ہے، قطع پیوند
وفا سے ہم کو پچھتانا پڑے گا
جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید
ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا
بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جب تک
اسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

☆☆☆

(۱۱)

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا
یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
ہوئے نہ تم سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب میری جان ہونا پڑے گا

(۱۲)

ذوق سب جاتے رہے جز ذوق درد
اک یہ لپکا دیکھیے کب جائے گا
عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم
ہم پہ منہ آئے گا منہ کی کھائے گا
باغ وصحرا میں رہے جو تنگ دل

جی قفس میں اس کا کیا گھبرائے گا

ابر و برق آئے ہیں، دونوں ساتھ ساتھ
دیکھیے برسے گا یا برسائے گا

مشکلوں کی جس کو حالی ہے خبر
مشکلیں آساں وہی فرمائے گا

(۱۳)

دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ
پھر کیے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا

آؤ اس کو لیں ہمیں جا کر منا
اس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا

جانتا دنیا کو ہے اک کھیل تو
کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا

مان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے
اک بزرگ دین کو ہم جھٹلائیں کیا

ہو چکے حالی غزل خوانی کے دن
راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

(۱۴)

چپ چپاتے اسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

نامہ بر آج بھی خط لے کے نہ آیا یارو
تم تو کہتے ہو کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ
اس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا

کرتے کیا پیتے اگر مے نہ عشا سے تا صبح
وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوایا جاتا

اس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
عشق سنتے تھے، جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ٹلتا حالی
کہتے پہلے سے تو دے لے کے ہٹایا جاتا

(۱۵)

کچھ کرتے ہیں جویاں وہی انگشت نما ہیں
بد نام ہی دنیا میں نکونام ہے گویا

ناچیز ہے وہ کام نہیں، جن پہ کچھ الزام
جو کام ہیں ان کا وہی انعام ہے گویا

ہے وقت رحیل اور وہی عشرت کے ہیں سامان

آخر ہوئی رات اور ابھی شام ہے گویا
جب دیکھیے حالی کو پڑا پائیے بے کار
کرنا اسے باقی یہی اک کام ہے گویا

(۱۶)

کچھ اپنی حقیقت کی گر تجھ کو خبر ہوتی
میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا
جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھ کو خبر ناصح
گر آج نہ تم آتے، کیا جانیے کیا ہوتا
کل حالؔی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ
سننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوگا

(۱۷)

ملتے ہی ان کے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پر کبھی آسمان نہ تھا
رات ان کو بات بات پر سو سو دیے جواب
مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گمان نہ تھا
رونا یہ ہے کہ آپ بھی ہنستے تھے، ورنہ یاں
طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دل میں چبھ گئی
مانا کہ اس کے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا

بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار
شب انجمن میں حالی جادو بیاں نہ تھا

(۱۸)

عمر شاید نہ کرے آج وفا
کاٹنا ہے شب تنہائی کا
اک دن راہ پہ جا پہنچے ہم
شوق تھا بادیہ پیمائی کا
کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
یہ ہی انجام تھا اے فصل خزاں
گل و بلبل کی شناسائی کا
محتسب عذر بہت ہیں لیکن
اذن ہم کو نہیں گویائی کا
ہوں گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

(۱۹)

اب بار یاب انجمن عام بھی نہیں
وہ دل کہ خاص محرم بزم حضور تھا
روز وداع بھی شب ہجراں سے کم نہ تھا
کچھ صبح ہی سے شام بلا کا ظہور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا شادماں
تھا حوصلہ اسی کا کہ اتنا صبور تھا

(۲۰)

دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائے گا
سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا
تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا
مے تندو ظرف حوصلہ اہل بزم تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا
راضی ہیں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی مگر
دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائے گا
بگڑیں نہ بات، بات پہ، کیوں جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا
مقصود اپنا کچھ نہ کھلا، لیکن اس قدر
یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں کہ پایا نہ جائے گا
جھگڑوں میں اہل دین کے نہ حالی پڑیں بس آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

(۲۱)

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

ہوا رکتے، رکتے دم آخر فنا
مرض بڑھتے، بڑھتے دوا ہوگیا

سماں کل کا رہ، رہ کے آتا ہے یاد
ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہوگیا

نہ دے میری امید مجھ کو جواب
رہے وہ خفا گر خفا ہوگیا

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہوگیا

(۲۲)

اک خو سی ہوگئی ہے تحمل کی ورنہ اب
وہ حوصلہ رہا نہ صبر و قرار کا

آؤ مٹا بھی دو، خلش آرزوئے قتل
کیا اعتبار زندگی مستعار کا

سمجھو مجھے اگر ہے تمہیں آدمی کی قدر
میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا

گر صبح تک وفا نہ ہوا وعدہ وصال
سن لیں گے وہ مآل شب انتظار کا

ہر سمت گرد ناقۂ لیلے بلند ہے
پہنچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا

حالؔی بس اب یقیں ہے کہ دلی کے ہو رہے
ہے ذرہ، ذرہ مہر فضا اس دیار کا

ب

(۲۳)

درد دل کو دوا سے کیا مطلب
کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
جو کریں گے بھریں گے خود واعظ
تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جن کے معبود حور و غلماں ہیں
ان کو زاہد خدا سے کیا مطلب
کام ہے مردمی سے انساں کی
زہد یا اتقیا سے کیا مطلب
صوفیٔ شہر با صفا ہے اگر
ہو ہماری بلا سے کیا مطلب
نکہت مے پہ عشق ہیں جو حالی
ان کو درد و صفا سے کیا مطلب

(۲۴)

مجھ میں وہ تاب ضبط شکایت کہاں ہے اب
چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی منہ میں زباں ہے اب
وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبط راز تھا
چہرے سے اپنی شورش پنہاں عیاں ہے اب
جس دل کو قید ہستیِ دنیا سے تنگ تھا

وہ دل اسیر حلقہ زلف بتاں ہے اب
آنے لگا جب اس کی تمنا میں کچھ مزہ

کہتے ہیں لوگ جان کا اس میں زیاں ہے اب
حالی تم اور ملازمت پیر مے فروش

وہ علم و دیں کدھر ہے وہ تقویٰ کہاں ہے اب

پ

(۲۵)

یہ ہیں واعظ سب پہ منہ آتے ہیں آپ
ناصحِ قوم اس پہ کہلاتے ہیں آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے
کیوں زبان رندوں کی کھلواتے ہیں آپ

ہے صراحی میں وہی لزت کہ جو
چڑھ کے ممبر پہ مزہ پاتے ہیں آپ

واعظو ہے ان کو شرمانا گناہ
جو گناہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں اک اک کی تکفیر آپ کیوں
اس پہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ

چھیڑ کر واعظ کو حالی خلد سے
بسترا کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ

ت

(۲۶)

گو جوانی میں تھی کج رائی بہت
پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے
مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

کر دیا چپ واقعات دہر نے
تھی کبھی ہم بھی گویائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

(۲۷)

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ گھر کی صورت

کس سے پیمان وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہوشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھیے شیخ مصور سے کچھے یا نہ کچھے

صورت اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو آتش دوزخ سے جہانکو تم نے
یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبر زاہد قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
اس نے دیکھی ہی نہیں کیسہ زر کی صورت

حملہ اپنے پہ بھی اک بعد ہزیمت ہے ضرور
رہ گئی ہے یہی ایک فتح وظفر کی صورت

ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کو اور آپ کے گھر کی صورت

ٹ

(۲۸)

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اچاٹ
دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ

رچ رہی ہے کان میں یاں لے وہی
اور مغنی نے کئی بدلے ہیں ٹھاٹ

ناؤ ہے بوسیدہ اور موجیں ہیں سخت
اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ

دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں۔
ہے مگر یاں جی کچھ زاہد اچاٹ

تیغ میں یہ برش حالی نہیں
جس قدر تیری زباں کرتی ہے کاٹ

ث

(۲۹)

باپ کا ہے جبھی پسر وارث
ہو ہنر کا بھی اس کے گر وارث

فاتحہ ہو کہاں سے میت کی
لے گئے ڈھو کے سیم و زر وارث

خاک و کرمان گورو و خویش و تبار
ایک میت ہو اور اس قدر وارث

واعظو دین کا خدا حافظ
انبیا کے ہو تم اگر وارث

قوم بے پر ہے، دین بے کس ہے
گئے اسلام کے کدھر وارث

ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف
جیسے مردہ کے مال پر وارث

ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیوں ہیں میت پہ نوحہ گر وارث

(۳۰)

بھید واعظ اپنا کھلوایا عبث
دل جلوں کو تو نے گرمایا عبث

شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاک باز
سب کو ملزم تو نے ٹھہرایا عبث

آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم
تو نے زاہد ہم کو شرمایا عبث

کھیتیاں جل کر ہوئیں یارو کی خاک
ابر ہے گھر کر ادھر آیا عبث

قوم کا حالی پنپنا ہے محال
تم نے رو، رو سب کو رلوایا عبث

ج

(۳۱)

چپ پر اپنی بھرم تھی کیا، کیا کچھ
بات بگڑی بنی، بنائی آج

شکوہ کرنے کی خو نہ تھی اپنی
پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج

چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو
نیند پھر رات بھر نہ آئی آج

کل یہاں کاروبار ہیں سب بند
کر لو کرنی ہے جو کمائی آج

زد سے الفت کی بچ کے چلنا تھا
مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

(۳۲)

ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا
جب کبھی جیتے تھے ہم اے بذلہ سنج

آ گئی مرگ طبیعی ہم کو یاد
شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج

راہ اب سیدھی ہے حالی سوئے دوست
ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

چ

(۳۳)

شاہد معنی کو آرائش کی کچھ حاجت نہیں
سبحہ وسجادہ ہیچ اور جبہ و دستار ہیچ

ہے ادب مسند پہ، جو کچھ ہے رئیس شہر کا
ہٹ کے مسند سے جو دیکھیں تو ہیں سر کار ہیچ

گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

ح

(۳۴)

کاٹیے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پا سبانوں کی طرح

منزلِ دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہمان سرا میں مہمانوں کی طرح

سعی سے اکتاتے نہیں اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح

شاد مانی میں گزرتے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شاد مانوں کی طرح

رکھتے ہیں تمکین جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح

پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہیں ایک اک کا یگانوں کی طرح

آس کھیتی کے پنپنے کی انہیں ہو یا نہ ہو
ہیں اسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح

ان کے غصے میں ہے دلسوزی، ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نا مہربانوں کی طرح

کام سے کام اپنے ان کو، گو ہو عالم نکتہ چین
دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجئے کیا حالی نہ کیجئے سادگی گر اختیار بولنا آئے

نہ جب رنگین بیانوں کی طرح

خ

(۳۵)

مے مغاں کا ہے چسکا اگر برا اے شیخ
تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور دے لگا اے شیخ
وہ نکلے بھان متی، جو بناتے تھے اکسیر
تماشے دیکھے ہیں یہ ہم نے بارہا اے شیخ
خبر بھی ہے تمہیں کیا بن رہی ہے بیڑے پر
ہیں آپ جو نسے بیڑے کے ناخدا اے شیخ
وہ ڈوبتوں سے الگ رہتے ہیں، جو ہیں تیراک
شناوری کا یہی گر ہے مرحبا اے شیخ
کمال حسن عقیدت سے آیا تھا حالی
پہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ

د

(۳۶)

گر درد دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا
آتی ہے دل کو موت نظر اس شفا کے بعد

یاد خدا میں جب نہ گئی دل سے اس کی یاد
آگے خدا کا نام ہے،ناصح خدا کے بعد

(۳۷)

کہیں خوف اور کہیں غالب ہے رجا اے زاہد
تیرا قبلہ ہے جدا، میرا جدا اے زاہد

ہم دکھا دیں گے کہ زاہد اور ہے نیکی کچھ اور
کچھ بہت دور نہیں روز جزا اے زاہد

جال جب تک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا
فکر دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

ذ

(۳۸)

پیاس تیرے بوئے ساغر سے لذیذ
بلکہ جام آب کوثر سے لذیذ

جس کے لئے تو قاتل ہو پھر اس کے لئے
کون سی امت ہے خنجر سے لذیذ

لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب
ہم کو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ

قند ہے شیریں تیری پہلی نگاہ
دوسری قند مکرر سے لذیذ

ہے یہ تجھ میں کس کی بو باس اے صبا
بوئے بید مشک و عنبر سے لذیذ

ر

(۳۹)

اس کے کوچے میں ہیں وہ بے پر و بال
اڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر

شہسواروں پہ بند ہے جو راہ
وقف ہے یا برہنہ پاؤں

نہیں منعم کو اس کی بوند نصیب
مینہ برستا ہے جو گداؤں پر

کرتے ہیں سو، سو طرح سے جلوہ گر
ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر

جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار
عیب کوئی کر نہ سکتے اگر

دوست اس کے ہیں نہ اس کے آشنا
گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر

خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم
گو دکھاتے ہیں آپ کو ہیں شیرنر

اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین
کرتے ہیں نفرت بدی سے جس قدر

کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب
کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر

گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم
کرتے ہیں رسوا اسے دل کھول کر
ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب
ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احساں اگر
عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو
جس سے ہوں اپنے سوا سب بے خبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں
کھینچ کر لاتے ہیں اس کو سوئے شر
بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو
عیب ان کا ظاہر اور اپنا ہنر
عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کیوں
خواہش تحسین ہے حضرت کو مگر

(۴۰)

گو شفا سے یاس پہ جب تک ہے دم میں دم
بن آئے گی نہ درد کا درماں کیے بغیر
بگڑی ہوئی کچھ بہت ہے اس باغ کی ہوا
یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کیے بغیر
مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام
مشکل کو ہم ٹلیں گے نہ آساں کیے بغیر
گو مے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دل ربا

اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کیے بغیر
تکفیر جو کرتے ہیں ابنائے وقت کی
چھوڑے گا وقت انہیں نہ مسلماں کیے بغیر

ڑ

(۴۱)

گھر ہے وحشت خیز اور بستی اجاڑ
ہو گئی اک اک، گھڑی تجھ بن پہاڑ

ہے پہنچنا اپنا چوٹی تک محال
اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ

کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار
پر نہیں زاہد کوئی ٹٹی کی آڑ

عید اور نو روز ہے سب دل کے ساتھ
دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اجاڑ

تم نے حالی کھول کر ناحق زبان
کر لیا ساری خدائی کا بگاڑ

ز

(۴۲)

غالب و شیفتہ و نیرو آزردہ و ذوق
اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانہ ہرگز
مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد
شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
کر دیا مر کے یگانوں یگانہ ہم کو
ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز
داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

(۴۳)

شیخ ! اللہ رے تیری عیاری
کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
خیر ہے اے فلک کہ چار طرف
چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز
رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا
ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز
ہوتے جاتے ہیں زور مند ضعیف

بنتے جاتے ہیں متبذل ممتاز
چھپتے پھرتے ہیں کبک و تیہو سے
گھونسلوں میں عقاب اور شہباز
ہے نہتوں کو رہگذر میں خطر
رہزنوں نے کئے ہیں ہاتھ دراز
ٹڈیوں کا ہے کھیتیوں پہ ہجوم
بھیڑیوں کے ہیں خوں ہیں ترلب آز
ناتوانوں پہ گد ہیں منڈلاتے
گھاتلوں پر ہیں چیز تیر انداز
تشنہ خوں ہیں بھوکے شیروں کے
حیلہ گر رو بہوں کے عشوہ ناز
دشمنوں کے ہیں دوست خود جاسوس
اور یاروں کے یار ہیں غماز
ہو گا انجام دیکھئے کیا کچھ
ہے پر آشوب جب کہ یہ آغاز
کے ابھی تک کھلی نہیں لیکن
غیب سے آ رہی ہے کچھ آواز
وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر
موج حائل اور ہوا ناساز
یا تھپیڑے ہوا کے لے ابھرے
یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز

کام اسے اپنے سونپ دو حالی
نہیں جس کا شریک اور انباز

س

(۴۴)

یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے
غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسار بس

ڈر ہے دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نہ جائیں
اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس

دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ
یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس

آتا نہیں نظر کہ یہ ہو رات اب سحر
کی نیند کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی سی رات اور کہانی بہت بڑی
حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

(۴۵)

غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے چار طرف سے
اور معر کہ گردش ایام ہے در پیش

گو صبح بھی تھی روز مصیبت کی قیامت
پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے در پیش

وہ وقت گیا نشہ تھا جب زوروں پہ اپنا
اب وقت خمار مئے گلفام ہے در پیش

امید شفا کا تو جواب آ ہی چکا ہے
اب موت کا سننا ہمیں پیغام ہے در پیش

جی اس کا کسی کام میں لگتا نہیں زنہار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے در پیش

ص

(۴۶)

زہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب
وقت ہیں کچھ خاص، خاص اور ہیں ادائیں خاص، خاص

قافلے گزریں وہاں کیونکہ سلامت واعظ
ہو جہاں رہزن اور رہنما ایک ہی شخص

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

گھر میں برکت ہے مگر فیض ہے جاری شب و روز
کچھ بھی شیخ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص

اعتراضوں کا زمانہ کے ہے حالی پہ نچوڑ
شاعر اب ساری خدائی میں ہے کیا ایک ہی شخص

ض

(۴۷)

چاہیے ایک سب کا ہو مقصود
گو ہوں سب کی جدا، جدا اغراض

یاد میں تیری سب کو بھول گئے
کھو دیئے اک دکھ نے سب امراض

دیکھیے تو بھی خوش ہے یا ناخوش
اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض

رائے ہے کچھ علیل سی تیری
نبض اپنی بھی دیکھ اے نباض

ایسی غزلیں سنی نہ تھیں حالی
یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

(۴۸)

تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ
ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط
کوچ کی حالی کرو تیاریاں
ہے قویٰ میں دمبدم اب انحطاط

ظ

(۴۹)

نکل آئے گی مے کشی کی بھی حلت
کوئی مل گیا گر ہمیں یار واعظ
نہ چھوڑے گا زیور گھروں میں نہ زر تو
یہ ہی ہے اگر حسن گفتار واعظ
مسلماں نہ ہم کاش حالی کو کہتے
ہوئے بات کہہ کر گنہگار واعظ

ع

(۵۰)

اے بہار زندگانی الوداع
اے شباب شادمانی الوداع
آ لگا حالی کنارے پہ جہاز
الوداع اے زندگانی الوداع

غ

(۵۱)

یا رب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو
بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ،باغ
آئیں پئیں وہ شوق سے جو اہل ظرف ہوں
ساقی بھرے کھڑا ہے مئے لعل سے ایاغ
حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزم شعر میں
باری تب ان کی آئی کہ گل ہوگئے چراغ

ف

(۵۲)

زاہدو ہم تو تھے ہی آلودہ
تم کو بھی ہم نے کچھ نہ پایا صاف
کیوں فقیہوں سے رک گئے حالی
بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

(۵۳)

غرور حرص ہیں زیور عروس دنیا کے
بناؤ تھے یہی اس نابکار کے لائق
کرے گی باد بہار آ کے اب کسے سرسبز
رہا نہ باغ قدوم بہار کے لائق
گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہے حالی
تمہیں تو ہو شہر میں اعتبار کے لائق

(ک۔۵۴)

دلوں کا کھوٹ اگر کہیے برملا اک ایک
تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا اک ایک

سلامتی کو وہاں قافلوں کی رو بیٹھیں
جہاں ہے رہزن خلق رہنما اک ایک

زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر
بنا ہے غوث زماں آج کل گدا اک ایک

ہوا نہ ایک بھی حق اس کی بندگی کا ادا
کیا ہے جس نے حق خواجگی ادا اک ایک

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو
ورق جب اس کا اڑا لے گئی صبا اک ایک

(گ۔۵۵)

عالمِ آزادگاں ہے اک جہاں سب سے الگ
ہے زمین ان کی اور انکا آسماں سب سے الگ

پاک ہے آلائیشوں میں بندشوں میں بے لگاؤ
رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ

جانچتے اوروں کو ہیں، خود لے کے اپنا امتحان
رکھتے ہیں اپنا طریق امتحاں سب سے الگ

سینکڑوں پھندوں میں یاں جکڑا ہوا ہے بند، بند
پر ٹٹولے کوئی دل ان کا تو واں سب سے الگ

شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھے ہوئے
درد مندوں کا ہے دکھڑا اور بیاں سب سے الگ

(۵۶)

صلح ہے اک مہلت سامان جنگ
کرتے ہیں بھرنے کویاں خالی تفنگ

عہدکیتی پہ نہ پھو لیں کامراں
آخر اس کی آشتی رنگ لائے گی

علم کیا، اخلاق کیا، ہتھیار کیا
سب بشر کے مار رکھنے کے ہیں ڈھنگ

رو کئے بدخو کو بد خوئی سے کیوں
آپ اپنی خو سے آجائے گا تنگ

زہد و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ
یہ بھی ہے اک نوجوانی کی ترنگ

بڑھ گیا رحم انسانی بہت
ہوگی ایجاد اب نئی توپ اور تفنگ

قوم کو حالی نہیں راس اتفاق
پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہم پہ رنگ

(ل۔۵۷)

ہوگئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل
یا زمانہ ہی گیا یا رب بدل

اب لگاؤ پودھ کچھ اپنی نئی
لا چکے پودے بہت اگلو نکے پھل

دیکھئے نبھتا ہے کب تک پاس وضع
ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل

کوششوں میں کچھ مزہ آتا نہیں
وقت کوشش کا گیا شاید نکل

اب سنو حالی کے نوحے عمر بھر
ہو چکا ہنگامہ مدح و غزل

(م۔۵۸)

صحبتیں اہل ورع کی سب گئیں نظروں سے گر
بزم رنداں میں یونہی ایک روز جا بیٹھے تھے ہم

شیخ دنیا کی حقیقت رہ کے دنیا میں کھلی
ورنہ دھوکہ دور سے دیکھ اس کو کھا بیٹھے تھے ہم

ہم نہ تھے آگاہ زاہد زشت خوئی سے تیری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم

سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر
ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اٹھا بیٹھے تھے ہم

ہم نے خود ہی دنیا پیتائی نہ حالیؔ ورنہ
دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

(۵۹)

کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
پر گنہ چھپ ،چھپ کے کرنے میں مزہ پاتے ہیں ہم

دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست وپا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم

دل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
پر اسے آلودہ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ہو کے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم

ہیں فدا ان دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
گر کبھی توفیق ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
دردِ خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم

راہ کے طالب ہیں بے راہ پڑتے ہیں قدم
دیکھیے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم

نور کے ہم نے گلے دیکھے ہیں اے حالی مگر
رنگ کچھ تیری الاپوں کا نیا پاتے ہی

(۶۰)

لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر
آئے ہیں آج چھوٹ کے قید گراں سے ہم
ہنستے ہیں اس کے گریہ بے اختیار پر
بھولے ہیں بات کہہ کے کوئی راز داں سے ہم
اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
کچھ پا گئے ہیں آپ کی طرز ادا سے ہم
دل کش ہر ایک قطعۂ صحرا راہ میں
ملتے ہیں جا کے دیکھئے کب کارواں سے ہم
لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ
پوچھیں گے جا کے حالی جادو بیاں سے ہم

(ن۔۲۱)

کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہے تیری
سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں

اپنی نظر میں یاں اب تو حقیر ہیں ہم
بے غیرتی کی یارو اب زندگانیاں ہیں

ہر حکم پر ہوں راضی، ہر حال میں رہیں شاد
حصہ میں اب ہمارے یہ شاد مانیاں ہیں

خاور سے باختر تک جن کے نشاں تھے بر پا
کچھ مقبروں میں باقی ان کی نشانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہو تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

رونے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
یہ خوں فشانیاں ہیں یا گل فشانیاں ہیں

(۶۲)

جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں
اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں

صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اس کو سارے تمہارے آ گئے یاد احسان ہمیں

یاں تو بدولت زہد و ورع کے نبھ گئی خاصی عزت
بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہمیں

سر تھے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بے وقت سی تھی
غل تو بہت یاروں نے مچایا، پر گئے اکثر مان ہمیں

غیر سے اب وہ بیر نہیں، اور یار سے اب وہ پیار نہیں
بس کوئی دن کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہمیں

(۶۳)

خواب راحت میں وہ لذت تیرے اے پیری نہیں
جو جوانی میں مزہ دیتی ہیں شب بیداریاں

ہیں اگر بے دردیاں اپنوں کی دل کو ناگوار
ناگوار ان سے سوا غیروں کی ہیں غمخواریاں

ہے کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی
سب کو کرنی ہونگی پوری اپنی، اپنی باریاں

بے مزہ ہے اہل دیں کی ترش روئی بھی مگر
اس سے پھیکی اہل دنیا کی ہیں ظاہر داریاں

کی تو ہیں ہم نے بھی حالی کوچ کی تیاریاں
سوجھتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں

(۶۴)

عقل کی بات کوئی ہم نے کہی ہے شاید
جنتی جتنے ہیں سب ہم سے حذر کرتے رہے

کم سے کم واعظ میں اتنا تو اثر ہوا واعظ
بول قوال کے جو دل میں اثر کرتے ہیں

اک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یا رب
یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

تلخیاں زیست کی تھوڑی سی رہی ہیں باقی
یہ مہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی
آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

(۶۵)

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
رخنے نکلیں گے سینکڑوں اس میں

ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے
چشم انساں و چشم نرگس میں

جانور، آدمی، فرشتہ، خدا
آدمی کی ہیں سینکڑوں قسمیں

آج کل چرخ صلح جو ہے بہت
دیکھئے ہو بگاڑ کس، کس میں

کی ہے خلوت پسند حالی نے
اب نہ دیکھو گے اس کو مجلس میں

(۶۶)

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
ہیں مئے ناب کے دلال قدح خوار نہیں
کبھی لیلیٰ پہ ہے مفتوں کبھی شیریں پہ فدا
اور جو پھر دیکھو تو دونوں سے خبر دار نہیں
عیش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ
اور جو ہو کیل کا کھٹکا بھی تو پھر بار نہیں
نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا ان کو
در بدر جھانکنے پھرنے سے انہیں عار نہیں
بوالہوس کام طلب، بندہ نفس اہل ہوا
ایک عالم ہے اسی رنگ میں دو چار نہیں
دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے
ان میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں
کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہوں میں
کہہ دو واللہ کہ صادق نہیں زنہار نہیں

(۶۷)

گو رو چکے ہیں دکھڑا سو بار قوم کا ہم
پر تازگی وہی ہے اس قصہ کہن میں

وہ قوم جو جہاں میں کل صدر انجمن تھی
تم نے سنا بھی؟ اس پر کیا گزری انجمن میں

پائین بزم بھی اب ملتی نہیں اسے جا
روندوں میں ہے وہ گلبن، پھولا تھا جو چمن

وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستند یمن میں
ہے اب بجائے حکمت خاک اڑ رہی یمن میں

وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے
ہے کال موتیوں کا اب سر بسر عدن میں

قبر اویس پر ہے بس اب فخر قرن کو
زندہ اویس باقی اب کوئی نہیں قرن میں

حالی بس اب نہیں یاں سننے کی تاب باقی
مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت تیرے سخن میں

(۶۸)

یا رب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر
تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں

بس ہو چکا بیان کسل و رنج راہ کا
خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہاں

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں
حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

(۶۹)

زباں تقریر سے قاصر، قلم تحریر سے عاجز
نہ پوچھو ہم سے کیا دیکھا ہے ہم نے بزمِ رنداں میں
نہ دی حیرت نے حالی فرصتِ سیرِ جہاں اک دم
رہے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیاباں میں

(۷۰)

اب وہ اگلا سا التفات نہیں
جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں
رنج کیا، کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
زندگی موت ہے حیات نہیں
کوئی دلسوز ہو تو کیجئے بیاں
سرسری دل کی واردات نہیں
ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید
جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں

قیس ہو کوہ کن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

(۷۱)

کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غم ہجراں میں نہیں
چاک دل میں ہے مرے جو کہ گریباں میں نہیں

عشق نے مصر میں سو بار زلیخا سے کہا
فتنہ دہر ہے جو حسن وہ کنعاں میں نہیں۔

یاں بھی ہے کون مکاں سے دل وحشی آزاد
جس کو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں

ٹھہرتے ٹھہرتے دل یونہی ٹھہر جائے گا
بات جو آج ہے وہ کل شب ہجراں میں نہیں

کس طرح اس کی لگاوٹ کو بناوٹ سمجھوں
خط میں لکھا ہے وہ القاب جو عنواں میں نہیں

دی ہے واعظ نے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھو
ایسے الجھاؤ ترے کاکل پیچاں میں نہیں

آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نہ جائے
اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصان میں نہیں

بے قراری تھی سب امید ملاقات کے ساتھ
اب وہ اگلی سی درازی شب ہجراں میں نہیں

حالیؔ زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز

یہ تو آثار کچھ اس مرد مسلماں میں نہیں۔

(۷۲)

غم فرقت ہی میں مرنا تو دشوار نہیں
شادی وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں
خو برو کے لئے زشتی خو بھی ہے ضرور
سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرح دار نہیں
قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار
ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہیں
کل خرابات میں اک گوشہ سے آتی تھی صدا
دل میں سب کچھ ہے مگر رخصت گفتار نہیں
حق ہوا کس سے ادا اس کی وفاداری کا
جس کے نزدیک جفا باعث آزار نہیں
دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہ کونسی راہ
کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں
ہو نگے قائل وہ ابھی مطلع ثانی سن کر
جو تعلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

(۷۳)

میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
کچھ پتہ منزل مقصود کا پایا ہم نے

جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں
چشمِ بدور بہت پھرتے ہیں اغیار کے ساتھ

غیرتِ عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں
اصل مقصود کا ہر چیز سے ملتا ہے پتا

ورنہ ہم اور کسی شے کے طلب گار نہیں
بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی

سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

(۷۴)

وحشت میں تھا خیالِ گل و یاسمن کہاں
لائی ہے بوئے انس نسیمِ چمن کہاں

ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوقِ دید بھی
جائے گا دیر چھوڑ کر اب برہمن کہاں

اہلِ طریق جس کو سمجھتے ہیں زادِ راہ
واں دخل دستبرد کو اے رہزن کہاں

فصلِ خزاں کمیں میں ہے صیاد گھات میں
مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں

لاتا ہے دل کو وجد میں اک حرفِ آشنا
لے جائے ہم کو دیکھیے ذوقِ سخن کہاں

جی ڈھونڈتا ہے بزمِ طرب میں انہیں مگر
وہ انجمن میں آئے تو پھر انجمن کہاں

دل ہو گیا ہے لذت غربت سے آشنا
اب ہم کہاں ہوائے نشاط وطن کہاں

کہتا ہے خیر ہم بھی ہیں دشمن آپ کے
شکوے کو لے گیا وہ بے داد فن کہاں

روکا بہت کل آپ کو حالی نے واں گر
جاتا ہے محو شوق کا دیوانہ پن کہاں

(۷۵)

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح
لگا دو آگ کوئی آشیاں میں

کوئی دن بو الہوس بھی شاد ہو لیں
دھرا کیا ہے اشارات نہاں میں

کہیں انجام آ پہنچا وفا کا
گھلا جاتا ہوں اب کے امتحاں میں

نیا ہے لیجیے جب نام اس کا
بہت وسعت ہے میری داستاں میں

دل پر درد سے کچھ کام لوں گا
اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں سے

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

(و۔۷۶)

مرے دل میں ہو گو مجھ سے نہاں ہو
مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

نہ چھیڑوں تذکرہ وصل عدو کا
اگر سمع مبارک پر گراں ہو

تقاضائے محبت ہے وگرنہ
مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو

مجھے ڈالا ہے سو وہم وگماں میں
بہت کیوں آج مجھ پر مہر باں ہو

موثر ہے حالی تیرا واعظ
کل اس کے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

(۷۷)

دل کو کس طرح سمجھے کہ وہی ہے یہ دل
وہ امیدیں ہیں نہ ارماں وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ

یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر
تو تو اچھا ہے مگر تیرے برے ہیں برتاؤ

دوست ہوں جس کے ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست
سچ بتا تجھ کو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ

تو وہی برق جہاں سوز ہے بن خواہ نہ بن

ہے برابر تیرا بے ساختہ پن اور بناؤ

ہو گیا ذکر قیامت تو اجیرن واعظ

باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ

تجھ کو اے ابر بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا

ایک ہی بار تم اے بادلو اس طرح نہ چھاؤ

پہنچ اے خضر کہ ہے وقت مدد گاری کا

ڈگمگاتی ہے بہت دیر سے منجدھار میں ناؤ

دیکھیں کس طرح نہ ہو سر سبز پھر کشت امید

آؤ اور ندیاں آج آنسو کی مل کے بہاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک

آج کل کیجیے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ

قافلے ساتھ کے جا پہنچے حرم کے لگ بھگ

وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جو آتے ہو تو آؤ

اس کے نالو نے کیا بزم کو آخر بے لطف

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

(۷۸)

در فیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ

فقیروں کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ

ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک زاہد

بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

کچھ اور آؤ بن کر تم اے ہیرو مرزا
نہیں پوچھتے یاں حسب اور نسب کچھ

یہ طبل تہی ہیں جو بنکارتے ہیں
جنہیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ

دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا
ہنر کام آیا نہ علم وادب کچھ

تم اپنی سی کہنی تھی جو کہہ چکے سب
نہیں ناصحو تم پہ الزام اب کچھ

یہ ہے میر مجلس کہ چینی کی مورت
ٹٹولو تو پیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمہ چرب تا کا ہے شاید
یہ حالی کی عزلت نہیں بے سبب کچھ

(۷۹)

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلف علامت ہے بے گانگی کی
نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ

کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت
جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ

نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے

نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
کرو علم سے اکتساب شرافت
نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ
فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا
مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
پھر اوروں کی تکتے پھرو گے سخاوت
بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
کہیں دوست ہو جائیں تم سے نہ بد ظن
جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا
نہ رکھیو امیروں سے ملت زیادہ
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا
جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
نہیں چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے
خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم
پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ

فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

بکے مفت یاں ہم زمانے کے ہاتھوں
پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ

ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر
نہیں بس اب اے عقل مہلت زیادہ

گنذل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی
الاپیں نہ بس آپ دُھرپت زیادہ

(۸۰)

وفا اغیار کی اغیار سے سن
مری الفت در و دیوار سے پوچھ

ہماری آہ بے تاثیر کا حال
کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ

دلوں میں ڈالنا ذوق اسیری
کمند گیسوئے خمدار سے پوچھ

دل مجبور سے سن لذت وصل
نشاط عافیت بیمار سے پوچھ

نہیں آب بقا جز جلوہ دوست
کسی لب تشنہ دیدار سے پوچھ

فریب وعدہ دیدار کی قدر

شہید خنجر انکار سے پوچھ
فغاں شوق کو مانع نہیں وصل
یہ نکتہ عندلیب زار سے پوچھ
تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم
وہ تصویر خیال یار سے پوچھ
متاع بے بہا ہے شعر حالی
مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

(ی۔۸۱)

ہے ان کی دوستی پر ہم کو تو بد گمانی
وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ ان کی مہربانی

بے جرم کوئی آخر کب تک سہے ملامت
ناصح سے ہم کو اپنی کہنی پڑی کہانی

پھر یہ بنائے ہستی ہے تیرے بعد ویراں
ہے تو بھی اب غنیمت اے ضعف و ناتوانی

اک نکتہ کے بیاں سے سر بر نہ ہو گے حالی
چلتا نہیں کسی کا یاں لاف نکتہ دانی

(۸۲)

جو کچھ ہے سو ہے اس کے تغافل کی شکایت
قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہِ خوباں
یاں ہیں تو فقط تیری محبت کے ہیں پیاسے

اک درد ہو بس آٹھ پہر دل میں کہ جس کو
تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دعا سے

حالی دلِ انسان میں ہے گم دولتِ کونین
شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان و عطا سے

جب وقت پڑے دیجیے دستک درِ دل پر
جھکیے فقرا سے نہ جھکیے امرا سے

(۸۳)

فیصلہ گردش دوراں نے کیا ہے سو بار
مرد کس کا ہے بدخشاں وختن کس کا ہے
مطمئن اس سے مسلماں نہ مسیحی نہ یہود
دوست کیا جانیئے یہ چرخ کہن کس کا ہے
واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذات خدا
ورنہ بے عیب زمانے میں چلن کس کا ہے
عشق ادھر عقل ادھر دھن میں چلے ہیں تیرے
رستا اب دیکھیے دونوں میں کٹھن کس کا ہے
ہیں فصاحت میں مثل واعظو حالی دونوں
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

(۸۴)

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے
عجب نہیں کہ رہی نیک وبد میں کچھ نہ تمیز
کہ جوبدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے
کہا جو میں نے وفا کرنے آئے ہیں احباب
کہا زمانے کی عادت بدلتی جاتی ہے
قلق انہیں نہیں گردوستوں سے چھٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے

ہوئے ہیں بار امانت سے سب تیرے عاجز
زمیں بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے

اڑے گی خاک تقدس کی اب سر بازار
فقیہ و شیخ میں جو تی اچھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہے کچھ باقی
کچھ اک جھجک سی تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

(۸۵)

بری اور بھلی سب گزر جائے گی
یہ کشتی یونہی پار اتر جائے گی

ملے گا نہ گل چیں کو گل کا پتا
ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی

رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا
کوئی دن میں گنگا اتر جائے گی

نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں
یونہی عمر ساری گزر جائے گی

سنیں گے نہ حالی کب تک سدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
کہ ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ باقی ہیں

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن

حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
کمال کفش دوزی علم افلاطون سے بہتر
یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جس کو مشائی نہ اشراقی
ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہیں ورنہ
لنڈھائے خم کے خم غیروں پہ کیوں ممسک ہو گر ساقی
مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

(۸۷)

اہل معنی کو لازم ہے سخن آرائی بھی
بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی
اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تمیز
اسمیں شہری بھی ہیں کوہی بھی ہیں صحرائی بھی
دوست گر بھائی نہو دوست ہے تو بھی لیکن
بھائی گر دوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی
دل غنی رکھتے ہیں اے دولت دنیا جو لوگ
تیور ان کے کبھی تو دیکھ کے شرمائی بھی
ملنے دے گی نہ اجل تم سے ہمیں جی بھر کے
فرصت اے دوستو، دنیا سے اگر پائی بھی
برائی ہے رندوں میں بھی شیخ لیکن
کہاں یہ برائی کہاں وہ برائی

رکا ہاتھ جب بن گئے پارسا تم
نہیں ہے پارسائی یہ ہے نا رسائی
جو کہیے تو جھوٹی جو سنیے تو سچی
خوشامد بھی ہم نے عجب چیز پائی
وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پربت
وہ پربت کو بھی کر دکھاتا ہے رائی
قیاس آپ پر سب کو کرتے ہیں حالی
نہیں اب بھی سچوں سے خالی خدائی

(۸۹)

وصل کا اب بھی دل زار تمنا ئی ہے
نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے
قوت دست خدائی ہے شکیبائی میں
وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے
ڈر نہیں غیر کا جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے
ہم نے جب کھائی اپنے ہی سے زک کھائی ہے
نظر آتی نہیں اب دل میں تمنا کوئی
بعد مدت کے تمنا میری بر آئی ہے
بات سچی کہی اور انگلیاں اٹھیں سب کی
سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے

(۹۰)

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے
جس قدر کرنی ملامت اور کو آسان ہے
عقل پچھلی پر نہ سمٹی حرص و آز انسان کی
لے نہ نام اب آدمیت کا اگر انسان ہے
چونٹیوں میں اتحاد اور مکھیوں میں اتفاق
آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے
دل میں حالی کے رہے باقی نہ بس ارمان کچھ
جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

(۹۱)

بزم دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اس وقت
میزباں جب نہ رہا کوئی نہ مہماں باقی
توشہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کوچ کے ساماں باقی

(۹۲)

جب یہ کہتا ہوں بس دنیا پہ اب تف کیجیے
نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجیے
واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار
اس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجیے
ضبط کیجیے دردِ دل تو ضبط کی طاقت نہیں

اور کھلا جاتا ہے راز دل اگر اف کیجیے
وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اسے
جایئے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجیے
توبہ حضرت کی یونہی اک دودھ کا سا ہے ابال
ہم دکھا دیں گے ذرا دم بھر توقف کیجیے

(۹۳)

فکر فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی
جان کو ہم نے لگائی ہے یہ علت کیسی
جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان
قید ہستی میں میری جان فراغت کیسی
ہم نے اول سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک
ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کیسی
جب کہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنا ناصح
وہی بھی کام نہیں کرتی نصیحت کیسی
نظر آتا ہے یہ پہلے ہی سے حالی انجام
یار کی بھی میں کہوں ہے یہ عنایات کیسی

(۹۴)

سعی سے بہتر تن آسانی میری
کفر سے بدتر مسلمانی میری
خلد میں بھی گر رہی یاد اس کی زلف

کم نہ ہو شاید پریشانی میری
خندہ زن ہے اس مسلمانی پہ کفر
جیسی ہے حالی مسلمانی میری

(۹۵)

پردے بہت سے وصل میں بھی درمیاں رہے
شکوے وہ سب سنا لئے اور مہرباں رہے
یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے
یا کھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہلِ واعظ
یا آپ بھی ملازمِ پیرِ مغاں رہے
دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے
حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر ملا
کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہاں رہے

(۹۶)

حق وفا کا جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے
ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں
وہ اگر ہمت آزمانے لگے
ڈر ہے میری زباں نہ کھل جائے

اب وہ باتیں بہت جتانے لگے
سخت مشکل ہے شیوہ تسلیم
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے
جی میں ہے یوں رضائے پیر مغاں
قافلے پھر حرم کو جانے لگے
سر باطن کو فاش کر یارب
اہل ظاہر بہت ستانے لگے
وقت رخصت تھا سخت حالی پر
ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

(۹۷)

دوستوں کی بھی نہ ہو پرواہ جیسے
بے نیازی اس کی دیکھا چاہیے
لگ گئی چپ حالی رنجور کو
حالی اس کو کس سے پوچھا چاہیے

(۹۸)

خط آنے لگے شکوہ آمیز ان کے
ملاپ ان سے گویا ہوا چاہتا ہے
ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں
اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
بہت چین سے دن گزرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

(۹۹)

ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر
نہ ہو بر تاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے
یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ کر کیجیے
اس بھلائی کا ہے انجام برا یاد رہے
شیخ یاں شرم گنہ شوق بھلا دیتا ہے
توبہ ان کی ہے جنہیں اپنی خطا یاد رہے
خضر نے پاؤں اگر دشت فنا میں رکھا
بھول جائیں گے راہ آب بقا یاد رہے
ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اس لطف کا پائیں گے مزہ یاد رہے

(۱۰۰)

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے
آخر کو ہم حوالہ تقدیر کر چکے

افسوس شب وصال کے واں کار گر نہیں
نالے شب فراق کے تاثیر کر چکے

کہتے ہیں طبع دوست شکایت پسند ہے
ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے

بھولے رہے تصور مژگاں میں چند روز
دیکھا تو دل کو ہم ہدف تیر کر چکے

حالی اب آؤ پیروی مغزلی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

(۱۰۱)

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اس کی
وہ اپنی ذات میں اک انجمن ہے

بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات
مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے

دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد
نہ میں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے

رہے لاہور میں آکر سو جانے
یہی دنیا ہے جو دار المحن ہے

بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی
یہ سب تم صاحبوں کا حسن ظن ہے

(۱۰۲)

دھوم تھی اپنی پارسائی کی
کی بھی اور کس سے آشنائی کی
منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے
تم کو عادت ہے خودنمائی کی
ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن
ہم سے باتیں کرو صفائی کی
نہ ملا کوئی غارت ایماں
رہ گئی شرم پارسائی کی
زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
انتہا ہے یہ بے حیائی کی

(۱۰۳)

دور پہنچی تھی اپنی آزادی
پر خدا جانے کیا کیا تو نے
کیوں نہ آئیں گے یاں وہ اے ہمدم
بس سنا میں نے اور کہا تم نے
صبر کا ہے بہت برا انجام
ہم کو سمجھا ہے دل میں کیا تو نے

ایک عالم کو خوش کیا اے رشک
ہم کو کس سے خفا کیا تو نے
جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالی اپنا کہا سنا تو نے

(۱۰۴)

شیخ جب دل ہی دیر میں نہ لگا
آ کے مسجد سے کیا لیا تو نے
راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی
در میخانہ وا کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈبوئی تھی
عقل کو ناخدا کیا تو نے
پھر جو دیکھا تھا تو کچھ نہ تھا یارب
کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے
حالی اٹھا ہلا کے محفل کو
آخر اپنا کہا کیا تو نے

انتخابِ رباعیات

ا۔خدا

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا
حلقہ ہے اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہے ضرور
بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

(۲)

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کی ادہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

(۳)

طوفاں میں جب جہاز چکر کھاتا
جب قافلہ وادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا
واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

۴

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور
منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو مجبور

خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ
خورشید کا جب شش جہت میں پھیلا نور

۵

جب مایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے
دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال
لیکن انہیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

۶

مٹی سے ہوا سے آتش و آب سے یاں
کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر تیرے خزانے ہیں ازل سے اب تک
گنجینہ غیب میں اسی طرح نہاں

۷

ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کے لئے
طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور
سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے

۸

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیادہ
دنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہو شاد

پر جو کہ ہیں تجھ سے لو لگائے بیٹھے
رہتے ہیں ہر اک رنج و غم سے آزاد

۹۔ رسولؐ

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا
اور امیوں کو خیرِ امم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تاتار
بچھڑے ہوئے گلے کو بہم تو نے کیا

۱۰

زہاد کو تو نے محوِ تجدید کیا
عشاق کو مستِ لذتِ دید کیا
طاقت میں رہا حق کے نہ کوئی ساجھی
توحید کو تو نے آکے توحید کیا

۱۱

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف
یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر
آبا کو بھی کیا ہے تیری ابوت سے شرف

۱۲

ہندو سے لڑیں اور نہ گبر سے بیر کریں
شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں

جو کہتے ہیں یہ کہ جہنم ہے دنیا
وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

۱۳۔ترک شعر عاشقانہ

بلبل کی چمن میں ہم زبانی چھوڑی
بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا
ہم نے بھی تیری رام کہانی چھوڑی

۱۴۔زندہ دلی

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح
ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل ان کے ہیں ظرف ان کے جو کرتے ہیں تیر
ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

۱۵۔نیکی اور بدی

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت
ہوں نیکیوں پہ اپنے نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص
نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

۱۶۔آزمائش

زاہد کہتا ہے جان ہے دین پہ قربان
پر آیا جب امتحان کی زد پہ ایمان

کی عرض کسی نے کہئے اب کیا ہے صلاح
فرمایا کہ بھائی جی ہے توجہاں

۱۷۔مشغلہ

ہے عشق طبیب دلوں کے بیماروں کا
یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پہ اتنی ہے خبر
اک مشغلہ دل چسپ ہے بیکاروں کا

۱۸۔پرکھ

نیکوں کا نہ ٹھہرائیو بد اے فرزند
اک آدھ ادا ان کی اگر ہو نہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں
ہوں اس میں اگر گلے سڑے چند دانے

۱۹۔شباب وشراب

ہو بادہ کشی پہ نہ جوانو مفتوں
گردن پہ نہ لو عقل خدا داد کا خوں
خود عہد شباب اک جنون ہے اب تم
کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنوں

۲۰۔قول وفعل

جو کرتے ہیں کچھ زباں سے کہتے ہیں وہ کم
ہوتے نہیں ساتھ جمع، دم اور قدم

بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار
بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

۲۱۔ معرفت

ہوں یا نہ ہوں پیر اہل عرفان ویقیں
پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہو نادان کہیں
گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی
اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

۲۲۔ عالم و جاہل میں فرق

ہیں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر
آتا نہیں فرق اس کے سوا، ان میں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا
جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنی خبر

۲۳۔ موجودہ ترقی

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر
یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا انساں میں کوئی عیب
ہو جائیں گے چھل چھلائے سب عیب ہنر

۲۴۔ مسرف

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا
کر میرے لئے حق سے فراغت کی دعا

عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ
محتاج کر اس کو جلد اے بار خدا

۲۵۔ طلبی

یاں رہنے کی مہلت کوئی کب پاتا ہے
آتا ہے اگر آج تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام ان کو جلدی بھگتاؤ
طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

۲۶۔ تقاضائے سِن

حالی کو جو کل فسردہ خاطر پایا
پوچھا باعث تو ہنس کے یہ فرمایا
رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی امید
وہ وقت گئے اب اور موسم آیا

۲۷۔ جرأت مندی

دنیائے دنی کو نقشِ فانی سمجھو
روداد جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

۲۸۔ آثارِ زوال

آبا کو زمین و ملک پر اطمینان
اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان

بچے آوارہ ہیں اور بے کار جوان
ہیں ایسے گھرانے کوئی دن کے مہمان

۲۹۔شانِ اُدبار

صحرا میں جو پایا اک چٹیل میداں
برسات میں سبزہ کا نہ تھا جس پہ نشاں
مایوس تھے جس کے جوتنے سے دہقاں
یاد آئی ہمیں قوم کے ادبار کی شان

۳۰۔نفاق

ہر بزم میں آفریں کے لائق ہو نا
شیریں سخنی سے شہدفائق ہونا
ممکن نہیں جب تک کہ نہ ہودل میں نفاق
آساں نہیں مقبول خلائق ہونا

۳۱۔منافق

جب تک کہ نہ ہو ودشمن اخواں پکا
ہو تا نہیں مومن کا اب ایماں پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے
سنتے ہیں کسی کو جب مسلمان پکا

۳۲۔مکروریا

حالی راہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا
خطرہ انہیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا

لیکن ان بھیڑیوں سے واجب ہے حذر
بھیڑوں کے لباس میں جو ہیں جلوہ نما

۳۳۔جوہر پوشیدہ

بے ہنروں میں ہیں قابلیت کے نشاں
پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انساں
عاری ہے لباس تربیت سے ورنہ
ہیں طوسی و رازی انہیں شکلوں میں نہاں

۳۴۔علم

اے علم تو نے کیا ہے ملکوں کو نہال
غائب ہوا تو جہاں سے واں آیا زوال
ان پہ ہوئے غیب کے خزانے مفتوح
جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

۳۵۔خاندانی عزت

بیٹا نکلے نہ جب تلک ذلت سے
عزت نہیں اس کو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھات کا نصیب بھی عالی
پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

۳۶۔وجہ عزّت

دولت نے کہا مجھ سے ہے عزت سے جہاں
فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشاں

عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیاں
میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں

۳۷۔توقع بیجا

ہیں یار رفیق پر مصیبت میں نہیں
ساتھی ہیں عزیز، لیک ذلت میں نہیں
اس بات کی انساں سے توقع ہے عبث
جو نوع بشر کی خود جبلت میں نہیں

۳۸۔دوستی

ہے عقل میں جس قدر کمی اور بیشی
اتنی ہی مغائرت ہے یاں اور خویشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مآل
ضدین ہیں دوستی و دور اندیشی

۳۹۔بربادی

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغامِ بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوں میں
کہتا ہوں کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

۴۰۔انجام عیش

اے عیش و طرب تو نے جہاں راج کیا
سلطاں کو گداغنی کو محتاج کیا

ویراں کیا تو نے نینوا اور بابل
بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

۴۱۔ غیبت

رونق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں
بد گوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اوروں کی برائی ہی پہ ہے فخر و ہاں
خوبی کوئی باقی نہیں جس امت میں

۴۲۔ عشق

اے عشق تو نے کیا گھرانوں کو تباہ
پیروں کو خرف اور جوانوں کو تباہ
دیکھا سدا سلامتی میں تیری
قوموں کو ذلیل خاندانوں کو تباہ

۴۳۔ سبب زوال سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم
سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت
یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

۴۴۔ دین و دنیا

دنیا کو دیے دین نے اسرار و حکم
دنیا نے کمر دین کی تھامی جس دم

گر دین کی ممنون بہت ہے دنیا
دنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

۴۵۔ بے غیرتی

اسباب پہ نظم جہاں کا ہے مدار
اس قوم کا جینا ہے حالی دشوار
عزت کی نہیں حالی جس کو پرواہ
ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کوئی عار

۴۶۔ عفو و درگزر

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بار خدایا
مقبول تیرا کون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ

۴۷۔ ضبط طیش

فتنہ کو جہاں تلک ہو دیجیے تسکین
زہر اگلے کوئی تو کیجیے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے
اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

۴۸۔ ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیر دیوار
دیکھا کہ چڑھا دانے کو لے کر سو بار

آخر سر بام لے کے پہنچا تو کہا
مشکل نہیں کوئی پیش ہمت دشوار

۴۹۔ پشیمانی

انجام ہے جو کفر کا طغیانی
ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے ندامتوں کی یہ جانا ہم نے
دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

۵۰۔ محنت

محنت ہی کے پھل ہیں یاں ہر اک دامن میں
محنت ہی کی برکت ہے ہر اک خرمن میں
موسیٰ کو ملی نہ قوم کی چوپانی
جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں

۵۱۔ ترغیب گداگری

اک مرد توانا کو جو سائل پایا
کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ ہے اس کا ان کی گردن پہ وبال
دے، دے کے جنہوں نے مانگنا سکھلایا

۵۲۔ تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے

مانے نہ کبھی مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کو ہمارے جو اترنا دیکھے

۵۳۔کوشش اور دعا

کوشش میں ہے شرط ابتدا انساں سے
پھر چاہیے مانگنی مدد یزداں سے
جب تک کہ نہ کام دست بازو سے لیا
پائی نہ نجات نوح نے طوفاں سے

۵۴۔جینا

ہے جان کے ساتھ کام انسان کے لئے
بنتی نہیں زندگی بے کام کیے
جیتے ہو تو کچھ کیجیے زندوں کی طرح
مردوں کی طرح جیئے تو کیا خاک جیئے

۵۵۔جھوٹی نمائش

ہیں جھوٹ کے سچ میں سب سمونے والے
بننے والوں سے کم ہیں ہو نے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جن کی جیبوں میں مدام
اکثر ہیں وہی وقت کے کھونے والے

۶۵۔اوصاف پر نظر

موجود ہنر ہوں جس کی ذات میں ہزار
بد ظن نہ ہو عیب اس میں اگر ہوں دو چار

طاؤس کے پائے زشت پہ کرکے نظر
کر حسن وجمال کا نہ اس کے انکار

۵۷۔ ریاکار

مصروف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ
خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت
معلوم ہے ہم کو جتنے پانی میں ہیں آپ

۵۸۔ ملحد کا طعن

کہتا تھا کل اک منکر قران وخبر
کیا لیں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں ورنہ
کتا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

۵۹۔ دانا کا حال

کیا فرق؟ سماعت جب نہ ہو کانوں میں
دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہے اجنبی مسافر کی طرح
دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں

۶۰۔ اصلاح

دھونے کی ہے اے رفامر جا باقی
کپڑے پہ ہے جب تلک دھبہ باقی

دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ
دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

۶۱۔ دانا خود پسند

تعریف سے کھل جاتے ہیں ناداں فی الفور
داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں بہت وہ مدح سن کر ناخوش
مقصود یہ ہے کہ ہو ستائش کچھ اور

۶۲۔ اصلیت

صوفی نے کسی کو آزمایا ہی نہیں
نیکی میں شک اس کی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکہ رائج میں بھی کچھ کھوٹ
پر اس کو یاں کسی نے تپایا ہی نہیں

۶۳۔ طعنہ زنی

پاتے ہیں زبوں حال جو اہل اسلام
اسلام پہ طعنہ زن ہے اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنے بیمار
اور مفت میں ہو گیا مسیحا بدنام

۶۴۔ فکر عقبیٰ

منزل ہے بعید باندھ لو زاد سفر
مواج ہے بحر رکھو کشتی کی خبر

گاہک چوکس ہے لے چلو مال کھرا
ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راہ گزر

۶۵۔انسان

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انساں
ممکن ہے بدی کا نہ رہے اس میں نشاں
ممکن تو ہے سب کچھ پہ حقیقت یہ ہے
انساں ہے اب تک وہی قرن الشیطاں

۶۶۔رفاقت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ
پر تجھ سے بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی
پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

۶۷۔زر اور ثابت قدمی

ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا
زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جس طرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک
ہے جوہر انساں کی کسوٹی سونا

۶۸۔اسراف

مسرف نہ بس اپنے حق میں کانٹے بوئیں
نعمت نہ خدا کی یوں رائگاں کھوئیں

گر بخل پہ لوگ ان کے ہنسیں بہتر ہے
اس سے کہ فضولیوں پہ اپنے روئیں

۶۹۔ نرم کلامی

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب
زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر وعتاب
بد تر ہے ہزار بار اے دوں ہمت
سائل کے سوال سے ترا تلخ جواب

۷۰۔ پرلذت کھانا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں
جو دیکھ کے چکھ کے، دل سے بھائے ہیں ہمیں
پر سب سے عزیز تھے وہ کھانے اے بھوک
جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہین ہمیں

۷۱۔ علم وعمل

چھوڑو کہیں جلد مال ودولت کا خیال
مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی
اندیشہ فوت ہو نہ خوف زوال

۷۲۔ صلہ

احساں کے ہے گر صلہ کی خواہش تم کو
تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احساں نہ کرو

کرتے ہو احساں تو کر دو اسے عام
اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

۷۳۔ قانون

قانون ہیں بیشتر یقیناً بے کار
حاشا کہ ہو ان پہ نظمِ عالم کا مدار
جو نیک ہیں ان کو نہیں حاجت اس کی
اور بد نہیں بنتے نیک ان سے زنہار

۷۴۔ خاموشی

حق بول کے اہلِ شر سے اڑنا نہ کہیں
بھڑکے گی مدافعت سے اور آتش کیں
گر چاہتے ہو چپ رہیں اہلِ خلاف
جز ترکِ جواب کوئی تدبیر نہیں

۷۵۔ ٹیکس اور اجل

واعظ نے کہا وقت سب جاتے ہیں ٹل
اک وقت سے اپنے تو نہیں ٹلتی اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھ کر حضور
ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

۷۶۔ خود ناشناسی

جیسا نظر آتا ہوں نہ ویسا ہوں میں
اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں

اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنا
بس مجھ کو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

۷۷۔ واعظ کی درشتی

اک گبر نے پوچھے جو اصول اسلام
واعظ نے درشتی سے کیا اس سے کلام
بولا کہ حضور مقتدا ہوں جس کے
ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام

رباعیاتِ قدیم

۷۸۔ عادت

ہو عیب کی خو کہ ہنر کی عادت
مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اس گلی میں جانا
عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

۷۹۔ اب رونے سے حاصل

مرنے پہ میرے وہ شب و روز روئیں گے
جب یاد کریں گے مجھے تب روئیں گے
الفت پہ وفا پہ جاں نثاری پہ میری
آگے نہیں روتے تھے تو اب روئیں گے

۸۰۔ کیسے گزرے؟

فرقت میں بشر کی رات کیوں کر گزرے
اک خستہ جگر کی رات کیوں کر گزرے
گزری ہی نہ ہو جس بغیریاں ایک گھڑی
یہ چار پہر کی رات کیوں کر گزرے

۸۱۔ رہبرِ حق

حر کہتا تھا اے دل شاہ ذیجاہ سے مل
گمراہ نہ ہو رہبر حق آگاہ سے مل

سرگشتگی کوئے ضلالت کب تک
اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہ سے مل

۸۲۔ دریائے غفلت

گر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا
اک شام میں بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھاہ بحرِ غفلت کی یزید
واں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

قصیدے

۱۔ قصیدہ نعتیہ

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لئے
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں
عداوت اس کی عذاب الیم جاں کے لئے

وہ شاہ جس کا محبّ امن و عافیت میں مدام
محبت اس کی حصار حصینِ اماں کے لئے

وہ چاند جس سے ہوئی ظلمت جہاں معدوم
رہا نہ تفرقۂ روز و شب زماں کے لئے

وہ پھول جس سے ہوئی سعی باغباں مشکور
رہی نہ آمد و رفت چمن خزاں کے لئے

ہلال مکہ کا ماہ دو ہفتہ یثرب کا
فروغ قوم کے اور شمع دودماں کے لئے

گھر اس کا مورد قرآن، و مہبط جبریل
در اس کا کعبہ مقصود انس و جاں کے لئے

مدینہ مرجع و ماوائے، اہل مکہ ہوا۔
مکیں سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکاں کے لئے

اسی شرف کے طلبگار تھے کلیم و مسیح
نوید امتِ پیغمبر زماں کے لئے

بس اب نہ غول کا کھٹکا نہ رہزن کا خطر
ہوا وہ قافلہ سالار کارواں کے لئے
شفیق خلق سراسر خدا کی رحمت ہے
بشارت امت عاصی و ناتواں کے لئے
کرم کا دیکھیے دامن کہاں تلک ہو فراخ
ہو میزبان خدا جب کہ مہماں کے لئے
زمیں پہ ٹھہرا ہے ماوائے شہ عرش نشیں
رہی نہ اب کوئی فوقیت آسماں کے لئے
اگر نصیب ہو یثرب میں جا کے شربت مرگ
پیوں نہ آب بقا عمر جاوداں کے لئے
اگر بقیع میں گز بھر زمیں میسر آئے
کروں نہ طول امل روضۂ جناں کے لئے
سمایا ان کا جو نقش قدم تصور میں
ہجوم شوق میں بوسے کہاں، کہاں کے لیے
حریف نعت پیغمبر نہیں سخن حالی
کہاں سے لایئے اعجاز اس بیاں کے لئے
نبی کا نام ہو وردزباں رہے جب تک
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

۲۔ مرثیہ غالب

کیا کہوں حال دردِ پنہانی
وقت کوتاہ و قصہ طولانی

عیش دنیا سے ہو گیا دل سرد
دیکھ کر رنگ عالمِ فانی

جس سے دنیا نے آشنائی کی
اس سے آخر کو کج ادائی کی

تجھ پہ بھولے کوئی عبث اے عمر
تو نے کی جس سے بے وفائی کی

ہے زمانہ وفا سے بیگانہ
ہاں قسم مجھ کو آشنائی کی

یہ وہ بے مہر ہے کہ ہے اس کی
صلح میں چاشنی لڑائی کی

ہے یہاں خطِ وصل سے محروم
جس کو طاقت نہ ہو جدائی کی

ہے یہاں حفظِ وضع سے مایوس
جس کو عادت نہ ہو گدائی کی

خندۂ گل سے بے رقا تر ہے
شان ہو جس میں دلربائی کی

جنس کا سد سے ناروا تر ہے

خوبیاں جس میں ہوں خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس
آج خاقانی وسنائی کی
رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد
بلبل ہند مر گیا ہیہات
جس کی تھی بات،بات میں اک بات
نکتہ داں،نکتہ سنج نکتہ شناس
پاک دل پاک ذات ،پاک صفات
لاکھ مضموں اور اس کا ایک ٹھٹول
سو تکلف اور اس کی سیدھی بات
ہو گیا نقش دل پہ جو لکھا
قلم اس کا تھا اور اس کی دوات
اس کے مرنے سے مر گئی دلّی
خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم
یاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں
اہل میت جنازہ ٹھہرائیں

لائیں گے پھر کہاں سے غالب کو
سوئے مدفن ابھی نہ لے جائیں۔
اس کو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح
اہل انصاف غور فرمائیں
قدسی و صائب، و اسیر و کلیم
لوگ جو چاہیں ان کو ٹھہرائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے
ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں۔
غالب نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت
لوح امکاں سے آج مٹتی ہے
علم و فضل وکمال کی صورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے
غالب بے مثال کی صورت
اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈنے نہ پائیں گے یہ لوگ
شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج
اپنا بے گانہ اشکبار ہے آج
تھا زمانے میں اک رنگین طبع
رخصت موسم بہار ہے آج
کس کو لاتے ہیں بہر دفن کہ قبر

ہمہ تن چشم انتظار ہے آج
غم سے بھرتا نہیں دلِ ناشاد

کس سے خالی ہوا جہاں آباد
ساتھ اس کے گئی بہارِ سخن

اب کچھ اندیشۂ خزاں نہ رہا
عشق کا نام اس سے روشن تھا

قیس و فرہاد کا نشاں نہ رہا
ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں

گل و بلبل کا ترجماں نہ رہا
اہلِ ہند کریں گے اب کس پہ ناز

رشکِ شیراز و اصفہاں نہ رہا
کوئی ویسا نظر نہیں آتا

وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا
اُٹھ گیا تھا جو مایہ دار سخن

کس کو ٹھہرائیں اب مدارِ سخن
بے صلہ مدح و شعر بے تحسین

سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا
نذرِ سائل تھی جان تک، لیکن

درخورِ ہمت اقتدار نہ تھا
ملک و دولت سے بہرہ ور نہ ہوا

جان دینے پہ اختیار نہ تھا

خاکساروں سے خاکساری تھی
سربلندوں سے انکسار نہ تھا

لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلہ
دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا

بے ریائی تھی زہد کے بدلے
زہد اس کا اگر شعار نہ تھا

مظہر شان حسن فطرت تھا
معنی لفظ آدمیت تھا

شہر سارا بنا ہے بیت حزن
ایک یوسف نہیں جو کنعاں میں

ملک یکسر ہوا ہے، بے آئیں
اک افلاطوں جو نہیں یوناں میں

وہ گیا جس سے بزم تھی روشن
شمع جلتی ہے کیوں شبستاں میں

ہند میں نام پائے گا اب کون
سکہ اپنا بٹھائے گا اب کون

ہم نے جانی ہے اس سے قدر سلف
ان پہ ایمان لائے گا اب کون

اس نے سب کو بھلا دیا دل سے
اس کو دل سے بھلائے گا اب کون

تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش

وہ جگہ دل میں پائے گا اب کون
اس سے ملنے کو یاں ہم آئے تھے
جا کے دلی سے آئے گا اب کون
مر گیا قدر دان فہم و سخن
شعر ہم کو سنائے گا اب کون
مر گیا تشنۂ مذاق کلام
ہم کو گھر سے بلائے گا اب کون
تھا بساط سخن میں شاطر ایک
ہم کو چالیں بتائے گا اب کون

۳۔ انتخاب

خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے
میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور

چشمہ ء آب خضر کی مانند
چشم اہل جہاں سے ہوں مستور

دل سے داد اپنی لے چکا ہوں بہت
مجھ کو پرواہ نہیں کہ ہوں مشہور

جیسے شہباز ہو قفس میں اسیر
ہوں زمانہ کے ہاتھ سے مجبور

لذت مے سے جو نہ ہو آگاہ
اس کو کیا قدر خوشہ انگور

جس کی آنکھیں نہ ہوں وہ کیا جانے
روز روشن ہے یا شب دیجور

پہلے ہو گی کسی کو قدر ہنر
اٹھ گیا اب جہاں سے دستور

درد دل کا بیاں کروں کس سے
بات کھونی نہیں مجھے منظور

سخن حق کی داد لوں کس سے
سن چکا ہوں فسانہ ء منصور

ہم نے دیکھی تمیز اہل ہنر

ہم نے دیکھا مذاق اہل شعور
آپ اپنے سخن سے ہوں محظوظ
دل اصحاب گو نہ ہو مسرور
یاں اگر کام ہے تو شیریں سے
قصر وخسرو کے اور ہیں مزدور
دُر یکتا ہوں اور ہوں بے آب
ماہ کامل ہوں اور ہوں بے نور
چشمہ پیدا وکارواں تشنہ
بادہ پر زور وانجمن مخمور
اس زمانے میں وہ غریب ہوں میں
جو وطن سے ہوں لاکھ منزل دور
کاش اس عہد میں مجھے پاتے
تھا سخن جب کہ قبلہ ء جمہور
کون سمجھے، مجھے کہ ہوں، کیا چیز
انوری ہے، نہ عرفی و شاپور
کون دیکھے میرے چمن کی بہار
مر گیا عندلیب غنچا پور
ترک عشق بتاں کریں عشاق
مجھ سے سن پائیں گر ستائش حور
چھیڑ دوں گر فسانہ فرہاد
دل خسرو میں ڈال دوں ناسور

کر نے جاؤں جو حق سے عذر گناہ
لے کے آؤں نوید عفو قصور

لوں ملائک سے داد حسن کلام
گر لکھوں نعت سرور جمہور

اے ترا پایہ فہم سے برتر
اے تیرا نام عرش پہ مسطور

میں ترے در پہ سن کے آیا ہوں
نام تیرا شفیع روز نشور

کچھ نہیں زاد راہ پاس اپنے
مگر امید عفو ربِ غفور

طبع غالب ہے اور میں مغلوب
نفس قاہر ہے اور میں مقہور

بحر غفلت میں ہوں سراپا غرق
نشہ ء کبر میں ہوں بالکل چور

چھوڑتی ہی نہیں خودی دامن
ہوں بہت اپنے ہاتھ سے مجبور

ایک جو مجھ سے بن نہیں آتی
ہے وہ خدمت کہ جس پہ ہوں مامور

فی المثل ہے میری سلیمانی
جیسے زنگی کا نام ہو کافور

ہاں مگر کچھ امید بندھتی ہے

تیرے زمرے میں گر ہوا محشور
جب تیرے کارواں میں جا پہنچا
پھر رہا، رباب خلد کتنی دور
دوری آستان والا سے
ہے بہت تنگ حالی مہجور
جا لگے تیرے در پر کشتی عمر
جب کروں بحر زندگی سے عبور
جیتے جی دل میں یاد ہو تیری
مرتے دم لب پہ ہو تیرا مذکور

۴۔ سرسید احمد خاں

اس دور آخری میں جب یوں بگڑ چلے تم
اک ہاشمی تمہارا مصلح کھڑا کیا ہے
سر سبز چاہتا ہے جو قوم کو جہاں میں
فتوؤں سے قوم کی گو کافر ٹھہر چکا ہے
وقت اپنا کام اپنا جان اپنی، مال اپنا
یاروں پہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے
وارا سپہ قوم کے ہیں، وہ قوم کی سپر ہے
قوم اس سے بدگماں ہے وہ قوم کی سپر ہے
بعد از قرون اولیٰ کس نے کیا بتایا
سید نے کام آکر جو قوم میں کیا ہے

۵۔ شاکرِ خدا

شکر اس نعمت کا یا رب کر سکے کیونکر زباں
تو نے رکھا ہم کو یاں فقر وغنا کے درمیاں

ج بھوے بھوکے تو بخشی تو نے نان ونانخورش
پر نہ اتنی معدہ وحشا پہ جو گزرے گراں

جب ہوئے پیاسے تو بخشا آبِ شیریں اور خنک
پر نہ ایسا ہو صراحی جس کی یاروں سے نہاں

ڈھانکنا چاہا بدن جب تو دی اتو نے لباس
پر نہ ایسا جس کو حسرت سے تکیں خرد وکلاں

کھانے پینے کو کیے برتن ہمیں تو نے عطا
پر نہ ایسے ٹوٹنے سے جن کے ہو خوفِ زیاں

سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں
پر نہ ایسا جس سے اٹھنا ہو طبیعت پر گراں

رہنے سہنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
پر نہ ایسے ہو تعلق جن سے مثلِ جسم وجاں

آنے جانے کو دیے دو پاؤں یاں تو نے ہمیں
جن سے ڈرنے بھاگنے کا اور نہ گرنے کا گماں

راہ اور بے راہ یکساں جنکو ہنگام خرام
کوہ سدراہ جن کا اور نہ خندق اور کنواں

کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر

پر نہ ایسی تخت فرعونی کا ہو جس پر گماں
سیم و زر وقت ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
پر نہ اتنا ہو نگہبانی میں جس کی ہو نیم جاں
آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز
پر نہ ایسی ہو جس سے ہوں محسود ابنائے زماں
نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تو نے دیں
تاکہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیاں
راحتیں اکثر میسر آئیں تکلیفوں کے بعد
تا کہ کھو بیٹھیں نہ ہم ان راحتوں کو رائیگاں
وقت پر کرتا رہا باران رحمت سے نہال
قحط اور طوفان دونوں سے بچایا بال بال

۶۔ نچلا طبقہ

الحذر اس فقر و ناداری سے سو بار الحذر
لومڑی بن جاتے ہیں جن کی بدولت شیر نر
چاپلوسی جا کے کرتے ہیں سفیہوں کی فقیر
ناکسوں کے ناز بے جا سہتے ہیں اہل ہنر
وزن میں علم و فضیلت جن کے ہے ہمسنگ کوہ
وہ سبک تر دانہ خردل سے آتے ہیں نظر
فقر و حاجت میں نہ ہو انسان کو جب صبر و شکیب
پھر نہ کوئی برائی فقر و حاجت سے بتر

بھیک منگوائے جوا کھلوائے یہ چوری کرائے

پت گنوائے آبرو کھوئے، پھرائے در بدر

ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی

لے سکے محتاج جورو کی نہ بچوں کی خبر

گر زبان آلودہ اس کی شکوہ ء تقدیر سے

اور کبھی بوچھار اس کی آسمان پیر سے

گر بخیلوں کی خدمت پر کبھی آجائے وہ

ہو نہ سب وشتم سے سیری اسے دو، دو پہر

اگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاق بزم تلخ

کھول دے غیبت کا دفتر اہل دولت کی اگر

گہ وبائے عام کی مانگے دعا اللہ سے

تا کہ دولت مند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ گر

اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب

تا کہ ہو جائیں بلندا ورپست سب زیر و زبر

بے حلاوت اس کی دنیا،اور تذبذب اس کا دین

خوفناک اس کا ارادہ نیت اس کی پر خطر

رات اسکی حسرت آگیں،اور دن اندو ہگیں

شام اس کی پر نحوست اور شوم اسکی سحر

گو کہ بد تر فقر سے یا رب نہ تھی کوئی بلا

تھا مگر ثروت میں اس سے بھی زیادہ شور وسر

فقر سے تو نے بچایا، یہ بھی کم نعمت نہیں

پر نہ دی ثروت سوا اس کے شکر کی طاقت نہیں

۷۔ دولت مند طبقہ

نشہ دولت سے تھا، پھر ہوش میں آنا محال
اس مے مرد آزما کی تھی بہت مشکل سنبھال
نفس امارہ اور اس پر چھیڑ مال وجاہ کی
ڈھیر ہے بارود کا دیجئے پتنگا جس میں ڈال
باد صر صر آگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں
جس طرح جذبات نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال
ہضم کرنا اور بچانا مال ودولت کا ہے بس
نفس انساں میں اگر با لفرض ہے کوئی کمال
ورنہ مال وجاہ و مکنت کا جہاں آیا قدم
اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال
عقل ٹھہراتی ہے جو افعال انساں پر حرام
کر دیئے اس کے لئے سب مال ودولت نے حلال
فقر میں تھا نفس درماندہ جس پرواز سے
آکے ثروت نے دیئے پر واسطے اس کے نکال
خواہشیں اب نفس کی یوں دم بدم بڑھنے لگیں
مغز میں جس طرح دیوانہ کے گونا گوں خیال
آپ کو گننے لگا بالا تر از ابنائے جنس
چیونٹیوں میں ایک نے گویا نکالے پر وبال

مسرف بے زر ہو جیسے قرض خواہوں میں گھرا
خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہے بال بال

جھک پڑی طبع دنی گر بخل و خست کی طرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اس کی وبال

اور اگر بھوت اس کے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینہ ء قاروں کچھ آگے اس کا مال

آ گیا غالب طبیعت پر گر استقائے حرص
ہے سمندر سے بھی اس کی پیاس کا بجھنا محال

باڑہ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدر
جس قدر ثروت میں ہے دشوار پاس اعتدال

گلشن دولت کے ہوں انگور بیٹھے بھی اگر
دیکھ اے روباہ نفس دُوں حذر ان سے حذر

۸۔ متوسط طبقہ

ہے عجب دنیا میں نعمت درمیانی زندگی
فقر کی ذلت اور ثروت کے فتنہ سے بری

دخل شیطاں کا ہو جس میں ایسی جنت کو سلام
منزل اعراف سو بار ایسی جنت سے بھلی

اس کٹھن منزل میں ہے بیٹا یہی اک پر خطر
ہیں ادھر کھڈ اور چڑھائی ہے ادھر البرز کی

رکھتے ہیں فقر وغنا میں جو کہ حالت بین بین

ہیں حسد اور کبر کے امراض مہلک سے بری
اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا ہے رشک
دیکھ کر ادنیٰ کو کر لیتے ہیں اپنی دل دہی
سن کے ہو جاتے ہیں سیدھے وہ بڑوں کا فخر

وناز

مل کے چھوٹوں سے بہک جاتا ہے گر جنا کبھی
لذت فقر وغنا دونوں سے ہے وہ آشنا
اغنیا میں ہیں فقیر اور ہیں فقیروں میں غنی
جو گزرتی ہے گدا پر اس سے ہیں وہ باخبر
کیونکہ گاہ، گاہ ان پر بھی گزری ہے یہی
امتحان دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ جھیلے ہوئے
کیونکہ ہے ہر گھونٹ میں اس مے کی بدمستی وہی
اس لئے جب دیکھتے ہیں عسرت ابنائے جنس
جوش ہمدردی سے بے کل ان کا ہوجاتا ہے جی
اور نہیں کرتے زبان طعن بے دردی سے وا
جب کہ سنتے ہیں کسی منعم کی از خود رفتگی
مست کی بے اختیاری تشنگی مخمور کی
واردات اک ایک کی ہے سر بسر ان پر کھلی
جنت اور دوزخ ہے سب اعرافیوں پر جلوہ گر
گندم اور زقوم دونوں ان کے ہیں پیش نظر

دل توانا اور قوی یاروں کی ہمت ان سے ہے
منتظم ہر قوم وملت کی جماعت ان سے ہے
مشکلیں اکثر انہیں سے قوم کی ہو تی ہیں حل
بھائیوں کے بازوؤں میں زور طاقت ان سے ہے
ہے انہی کی دم سے جو ہے گرمی ہنگامہ آج
ساری قومی مجلسوں کی زیب وزینت ان سے ہے
ہے جہاں دولت یہی ہیں ناظم دولت کے کفیل
ملک کی دولت میں ہے جو خیر و برکت ان سے ہے
ہاتھ میں ان کے ہیں جتنے عقل ودانش کے ہیں کام
عقل ودانش میں ہے جن ملکوں کی شہرت ان سے ہے
ہیں گداؤں کے وسیلے اور شاہو نکے مشیر
شاہ ہوں یا ہوں گدا دونوں کی قوت ان سے ہے
آدمیت سیکھتے ہین ان سے سب چھوٹے بڑے
نوع انساں میں بقائے آدمیت ان سے ہے
یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یاں
رونق بازار جنس علم وحکمت ان سے ہے
پاؤ گے ان میں طبیب ان میں ادیب ان میں خطیب
ہے اگر انساں کو حیواں پر فضیلت ان سے ہے
پاؤ گے ان میں مہندس پاؤ گے ان میں حکیم
آدمی مصداق رحمانی خلافت ان سے ہے
کرتے ہیں اخلاق ادنیٰ اور اعلیٰ ان سے اخذ

آدمی سب میں مگر انساں عبارت ان سے ہے
ان میں قوموں کے ہیں مصلح ان میں ملکوں کے وکیل
آبرو قوموں کی اور ملکوں کی عزت ان سے ہے
پھونکتے ہیں روح قومیت یہی افراد میں
ہے جہاں قوموں میں یک رنگی و وحدت ان سے ہے
دم سے ہے وابستہ ان کے قوموں کا سارا انتظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

۹۔ مشکلات

گر نہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح پر نظر
ہیں مفاسد گرد وپیش ان کے فراہم سر بسر
کھیلتی ہے جس طرح بتیس دانتوں میں زباں
ہے نہیں بھی شر سے یاں یاں بچ، بچ کے رہنا عمر بھر
گھاٹیاں ہیں فقر وغنا کی ان کے ہیں دونوں طرف
اور رستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر
ایک جانب پستی فطرت ہے اور دوں ہمتی
ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کبر و بطر
جھک پڑے گر اس طرف تو مفت کھو بیٹھے نہیں
وہ جو اڑنے کے لئے حق نے دیے تھے بال و پر
ڈھل گئے گر اس طرف تو اس بلا مین پھنس گئے
جس میں پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر

برکتیں اللہ کی اس قوم پر جس قوم میں

رہ سپر یہ طبقہ والا ہو سیدھی راہ پر

ہیں معطل اغنیا اور بے نوا کوتاہ دست

سکی پڑتی ہے انہیں کے دست و بازو پر نظر

جو قویٰ ان کو ملے ہیں کام میں لائیں انہیں

تاکہ زندوں کی طرح زندگی ہو ان کی بسر

فرض ہیں جو ان کے ذمہ خالق اور مخلوق

اس میں سرگرداں رہیں دیوانہ وار آٹھوں پہر

قوم ہو گر ناتواں تو تقویت بخشیں اسے

کیونکہ اس کے ضعف سے ہے ان کی قوت کو ضرر

گو نجات انساں کو مکروہات دنیا سے نہیں

جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھڑانا ہے مگر

کام دنیا میں سنوارے ہیں جنہوں نے قوم کے

تھے نکموں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر

سارے بھگتاتے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کے کام

اور دائیں سے مہمیں قوم کی کرتے تھے سر

جس طرح اس انجمن کے رکن آئے ہیں تمام

قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

۱۰۔ انجمن قوم

قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز
ملک میں عزت سے اب رہنے کی صورت ہے یہی
اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد
ڈر نہیں اس کا کہ خود قانون قدرت ہے یہی
ہے کبھی افراط باراں اور کبھی ہے قحط آب
طینت عالم میں خاصیت ودیعت ہے یہی
کال ہے گر اس برس تو ہے سماں اگلے برس
جو خبر دیتی ہے کثرت کی وہ قلت ہے یہی
دیگ تو پکتی ہے یہ پکے گی دھیمی آنچ میں
کچھ ابال آیا تو ہے اس میں غنیمت ہے یہی
انجمن ہے قوم کی ہنگامہ شادی نہیں
ایک دن کا کام کچھ روما کی آبادی نہیں

۱۱۔ دردمند طبیب محمود خان

وہ زمانہ جب کہ تھا دلی میں اک محشر بپا
نفسی نفسی کا تھا جب چاروں طرف غل پڑ رہا
اپنے اپنے حال میں چھوٹا بڑا تھا مبتلا
باپ سے فرزند اور بھائی سے تھا بھائی جدا
موجزن تھا جب کہ دریائے عتابِ ذوالجلال
باغیوں کے ظلم کا دنیا پہ نازل تھا عتاب

دیکھ کر یاروں کو جب آنکھیں چرا جاتے تھے یار
ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دوچار
یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار
شہر میں تھی چار سو گویا قیامت آشکار
آگ تھی کہ اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر
جل نہ جائیں اس کے شعلے سے کہیں سب خشک وتر
ہو رہا تھا جب کہ کھوٹے اور کھرے کا امتحان
کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پتلا عیاں
ایک جانب تھی اگر خندق تو اک جانب کنواں
بال سے باریک تر تھی راہ ان کے درمیان
راہرو وگدا میں تھے اور راہ پر خوف وخطر
اس نے یوں کھلایا، کہ یوں چلتے ہیں سیدھی راہ پر
مجرموں بے جرم میں تھا حاکموں کا اشتباہ
عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذر خواہ
مجرموں کے جرم پر دیوار ودر تھے سب گواہ
پر نہ تھا کوئی شفیع ان کا جو تھے بے گناہ
ایسے نازک وقت میں مردانگی جو اس نے کی
اہل انصاف اس کو بھولے ہیں نہ بھولیں گے کبھی
جب کی عنقا تھی دیانت بین ابنا ء الزماں
تھی امانت جس کی اس کے پاس تھی ہلکی یا گراں
خوف میں پاس اپنے رکھا اس کو مثل پاسباں

کی حوالے مالکوں کے جب ہوا امن واماں

ایک عالم نا خدا ترسی جب بے باک تھا

اس کا دامن تھا کہ ہر دھبے سے بالکل پاک تھا

منقبض اس کو نہ مکر وہات میں پایا کبھی

غم سے دنیا کی نہ پیشانی پہ بل لایا کبھی

دل کسی باد مخالف سے نہ کملایا کبھی

تلخی دوراں سے چتوں پر نہ میل آیا کبھی

کی بسر دار المحن میں بزم عشرت کی طرح

عمر کاٹی دوزخ دنیا میں جنت کی طرح

اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافق روزگار

اہل علم و فضل دانش کا نہ تھا ہم میں شمار

ایسے حاصل خیز نہ دنیا میں ہونگے کشت زار

جیسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار

مرد تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں

سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یاں

یا یہ اب پہنچی ہے ہم میں نوبت قحط الرجال

ایک اٹھ جاتا ہے دنیا سے اگر صاحب کمال

دوسری ملتی نہیں دنیا میں پھر اس کی مثال

ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بےمثال

ظاہر اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا

مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالی سخن میں تھی بہت وسعت کبھی
تھیں سخن ور کے لئے چاروں طرف راہیں کھلی
داستاں کوئی بیاں کرتا تھا حسن و عشق کی
اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی
گاہ غزلیں لکھ کے یاروں کے گرماتے تھے لوگ
گو قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلہ پاتے تھے لوگ
پر ملی ہم کو مجال نغمہ اس محفل میں کم
راگنی نے وقت کی لینے دیا نہ ہم کو دم
نالہ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جا کر نہ ہم
کوئی یاں رنگین ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم
سینہ کوبی میں رہے جب تک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

قطعات

۱۔شعر

اے شعر دل فریب نہ ہو تو غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
قبلہ ہواب ادھر تو نہ کیجیو نماز تو
اے شعر راہ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا
اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
جو قدر داں ہو اپنا اسے مغتنم سمجھ
حالی کو تجھ پہ ناز ہے کر اس پہ ناز تو

۲۔جھوٹی شاعری

گر غزل لکھیے تو کیا لکھیے غزل میں آخر
نہ رہی چیز وہ مضمون سمجھانے والی
آپ بیتی نہ ہو جو ہے وہ کہانی بے لطف
گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زبان ٹکسالی
ہاں مگر کیجیے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں
لائے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچیے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر
کیجیے درد جدائی کی کبھی نقالی
تا کہ بھڑکائے جوانوں کے دل آتش کی طرح

وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہے خالی

۳۔ نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم وفضل میں
جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجیے
کیجیے تصنیف اور تا لیف میں سعی بلیغ
اس میں اک اپنا پسینہ اور لہو کر دیجیے
دیجیے معنی کے نظم ونثر میں دریا بہا
اور سخن کی داد ہر پیر و جواں سے لیجیے
اور نہ ہو گر شعر وانشا کی لیاقت آپ میں
شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجیے

۴۔ نوکروں پر سخت گیری کرنے کا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر
در گزر تھی اور نہ ساتھ ان کے رعایت تھیں

کہیں

بے سزا کوئی خطا ان کی نہ ہوتی تھی معاف
کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی ان کے تئیں
حسن خدمت پر اضافہ یا صلہ تو در کنار
ذکر کیا نکلے جو چھوٹے منہ سے اس کے آفریں
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اس سے دوچار
نتھنے پھولے،منہ چڑھا،ماتھے پہ بل ،آبرو پہ چیں

تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لئے کوئی فتوخ
اک ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امیں

رہتا تھا اک، اک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس
فرض جس میں نوکر و آقا کے ہوتے تھے تعیں

گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار
زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبیں

حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں
تا کہ یہ درخوست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں

واں سوا تنخواہ کے تھا جس کا آقا ذمہ وار
تھیں گریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں

دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لا جواب
تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مار آستیں

ایک دن آقا تھا اک منہ زور گھوڑے پر سوار
تھک گئے جب زور کرتے کرتے دست نازنین

دفعتاً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار
اور گرا اسوار صدر زین سے بالائے زمیں

کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن رکاب
کی نظر سائیں کی جانب کہ ہو آکر معین

تھا مگر سائیں ایسا سنگ دل اور بے وفا
دیکھتا تھا لیکن ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لعیں

دور ہی سے تھا اسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا

دیکھیے سر کار اس میں شرط یہ لکھی نہیں

۵۔ اہلِ زبان

اک دوست کے حالی نے کہا از راہ انصاف
کرتے ہین پسند اہل زبان اس کے سخن کو
چند اہل زباں جن کو کہ دعوٰی تھا سخن کا
بولے کہ نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
شاعر کو کہ یہ لازم ہے کہ ہو اہل زباں سے
ہو چھو نہ گئی غیر زباں اس کے دہن کو
معلوم ہے حالی کا جو ہے مولد و منشا
اردو سے بھلا واسطہ حضرت کے وطن کو
اردو کے دھنی وہ ہیں جو دلی کے ہیں روڑے
پنجاب کو مس اس سے نہ پورب نہ دکن کو
مانا کہ ہے بے ساختہ پن اس کے بیاں میں
کیا چھو نکیے اس ساختہ، بے ساختہ پن کو
یہ دوست نے حالی کے سنی جب کہ تعلی
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
حالی کو بد نام کیا اس کے وطن نے
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

۶۔ قانون

کہتے ہیں ہر فرد انساں پہ ہے فرض
ماننا قانون کا بعد از خدا
پر جو سچ پوچھو نہیں قانون میں
جان کچھ مکڑی کے جالے کے سوا
اس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں
اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
پر اسے دیتے ہیں توڑ اک آن میں
جو سکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ
اور نظر میں زور مندوں کی ہے لا

۷۔ سچ کہاں

دیکھنے ہوں تمھیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے

۸۔ سیاست

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو **ملک** ہو مفتوح
واں پاؤں جمانے کے لئے تفرقہ ڈالو
اور عقل خلاف اس کے تھی یہ مشورہ دیتی

یہ حرف سبک بھول کے منہ سے نہ نکالو
پر رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر
مانو اسے اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن
جو بات سبک ہو اسے منہ سے نہ نکالو

۹۔ مرد اور عورت کی حکومت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے اکثر
مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بری گت
لیکن بخلاف اس کے ہے عورت کا جہاں راج
واں ملک ہے سر سبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں دارا
قبضہ میں ہے واں عورتوں کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی
سمجھو کہ ہے اس ملک میں مردوں کی حکومت

۱۰۔ مغرور کی پہچان

غرور زید کی کرتا ہے گر شکایت عمرو
تو سمجھو کرتا ہے اپنے غرور کا اظہار
جنھوں نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا
بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زنہار

۱۱۔ اچھا کام

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے
اس نے کی تاخیر اس میں جس قدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں
بلکہ ہیں یہ دیکھتے، جو کچھ کیا کیسا کیا

۱۲۔ بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندوں
ذرا وصف اپنے سنو کان دھر کے
نہیں کام کا تم کو انداز ہرگز
جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس ادھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
تو چیخ اٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
کہ اٹھ جائیں ساتھی سب اک ایک کر کے
اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پر
تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانو
کہ بس ٹھن گئے عزمِ جنگ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر
تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے

جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو
کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی
رہیں پاؤں کے ہوش جس میں نہ سر کے
جو کھانا تو بے حد، جو پینا تو ان گنت
غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

۱۳۔ ناقص اور کامل

ہے لیاقت جن میں کچھ قدرے قلیل
اور سمجھتے آپ کو ہیں بے عدیل
ان کو ایسوں سے نہیں ملنا روا
جو لیاقت رکھتے ہیں ان سے سوا
اونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئیں
دیکھنا لازم پہاڑ اس کو نہیں
سر میں ہے جگنو کے یہ سودا اگر
شے نہیں مجھ سے کوئی تابندہ تر
چاہیے دن کو نہ نکلے زینہار
ورنہ ہو گا اپنے جی میں شرمسار

۱۴۔ مجبور محض

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار
دو ہیں ان میں سے نہایت جانگزا

ایک فکر اس آنے والے وقت کی
شک نہیں ہے جس کے آنے میں ذرا
دوسرے چوٹیں زبان خلق کی
زخم جن کا زخم ہے تلوار کا
اور بھی حیوان ناطق کے لئے
ہیں بہت سی زحمتیں ان کے سوا
پر گدھے اور حیوانات سب
رہتے ہیں دور ان گزندوں سے سدا
کیسا ان آلام سے رہتا نچنت
اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

اشعار متفرق

شادی عروسی

شکر کیجیے کونسی نعمت کا خالق کی ادا
ایک سے ایک نعمت اس کی بندوں پہ سوا
اس کی قدرت کے خزانوں میں نہیں ہرگز کمی
جس نے جو مانگا وہی اس نے مہیا کر دیا
نخل تر کو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ و بو
سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب اور ضیا
کھیتوں کو مینہ دیا، ماں باپ کو اولاد دی
اس سے دی دنیا کو رونق، اس سے آنکھوں کو جلا
عمر روز افزوں عطا فرمائی پھر اولاد کو
کل چھٹی تھی جن کی ہے دن آج ان کے بیاہ کا
آؤ اس کے شکرے میں مل کے باہم شاد ہوں
تا کہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام خدا

بزم شادمانی

چھٹی بیاہ یا تیج تہوار ہو
لب آب یا صحن گلزار ہو
مے و نغمہ ہو یا ہو چنگ و رباب
یہ ساری خوشی کے ہیں ساماں جب
کہ ہوں ایک جا جمع احباب سب

بزرگوں سے محفل کی شوکت بڑھے
عزیز اور پیاروں سے عزت بڑھے
جہان اس طرح جمع ہوں چار یار
ہیں اس بزم پہ لاکھ گلشن نثار

شکر کہ از فضل خدائے جہاں
وقت خوش از پردہ برآمد عیاں
شادی دل را سبب آمد بدست
فرصت بزم طرب آمد بدست
تا شود از مقدم اہل کرم
کلبہ ما غیرت باغ ارم

رفت آسیب زمستاں باد نو روزی وزید
دوستان را بشارت باد وباراں را نوید
طرح بزم خرمی با ہمدم گر باید نہاد
نغمہ ء شکر الٰہی دم بدم باید کشید

سلامٌ من محبّ مستکین
یلیہ الخیر و البرکات تترٰی
سلامٌ ردفہ روحٌ و راح
و یُمنٌ یدیہ لٰلا بشرٰی
وِدعوۃ شاھد ینو غائبینا
من الاخوان الخلان طرّا

خاتمہ

تا طیب العیش فی الدنیاو راغدہ

دھیتہ بزیارات الاحبا

ہزار دیدہ و دل فرش راہ یارانے

کہ از مسرت یاراں مسرت اندوزند

بہ شادی وطرب ہم دگر شوند انبار

ہزار رخ ز فروغ دلے بر افرو زند

کار احباب ساختن بتواں

دوستاں را نواختن بتواں

تا بہ دہر ابر و باد خواہد ماند

از شما لطف یاد خواہد ماند

اشعار غزل ناتمام

اس زندگی کے ہاتھوں چین ایک دن نہ پایا

یہ جان ہے بدن میں یا غار پیراہن میں

حاضر ہوجب نہ دل ہی ہے باغ و راغ یکساں

ہم دوستو گئے تو پر کیا گئے چمن میں

ہے اک خراش دل میں ڈر ہے کہ بھر نہ جائے

زخمی ہے قیرواں میں اور مشک ہے ختن میں

تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہے ورنہ

اے فاختہ دھرا کیا ہے سرو وناروں میں

کس قدر یار و ہوا ہے انقلاب
آ گیا یاروں کے اقراروں میں فرق

خود بتائے گا تمہیں دورِ زماں
ہے بہت پیاروں میں اور یاروں میں فرق

گر نہ ہو نیت گدا میں فرق
آئے کیوں شاہ کی عطا میں فرق

ہے وفادار اور بھی لیکن
ہے مریجاں وفا، وفا میں فرق

ایام جوانی

یاد ایام کہ تھی باغ جوانی پہ بہار
نظر آتا تھا خزاں میں بھی زمانہ گلزار

نشہ میں چور تھے اک بادہء پر زور کے ہم
جس کا راحت میں نہ کلفت میں اترتا تھا خمار

سر پہ وہ دیو قوی آ کے چڑھا تھا اپنے
یاد تھا جس کا نہ عامل نہ سیانے کا اوتار

روکتا تھا نہ جسے غار نہ خندق، نہ کنواں
ہم تھے اس توسن سر زور پہ دن رات سوار

رہتے تھے اس شتر مست کی صورت بے قید
ہاتھ سے جس نے شتر بیاں کے تڑا لی ہو مہار

پند گو ہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دل سوز

ان کی صحبت سے تھے اتنے ہی زیادہ بیزار
خیر خواہ اور تھے غمخوار و مربی جتنے
ان کی صورت سے ہمیشہ ہمیں چڑھتا تھا بخار
مل کے ہم جولیوں سے جان میں جان آتی تھی
ہنسنے اور بولنے پر زیست کا تھا اپنے مدار
اب امنگیں ہیں وہ دل میں نہ ترنگیں باقی
تیرے اے عمر گئے اب وہ کہاں لیل ونہار

چھوٹوں کی بڑائی

چند خطوط ایک دانا نے
کھینچ کے یارون سے کہا
دیکھ لو ان میں جتنے ہیں خط
کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے
دے یونہی چھوٹے خط کو بڑھا
اک نے جتنے خط تھے بڑے
اٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
جب نہ رہا واں پیش نظر
خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اٹھا کر آنکھ جدھر
تھا وہی چھوٹا وہی بڑا

کل کی ہے یارو بات کہ تھی
قوم میں باقی جان ذرا
قوم میں جیسا حال ہے اب
آدمیوں کا کال نہ تھا

تھے موجود ادیبوں میں
اخطل و اعشیٰ کے ہمتا
منشیوں میں ایسے تھے بہت
جن پہ کہ نازاں تھا انشا

شعر میں تھے استاد اکثر
سحر بیان اور نکتہ سرا
لے گئی ان کو آخر کار
بحر فنا کی موج بہا

اہل ہنر کا نام و نشاں
قوم میں جب باقی نہ رہا
حالی و زید و عمر بنے
صاحب دیوان نام خدا

اب چاہو استاد گنو
یا ان ہمیں تم سمجھو یکتا
ہم ہیں وہی ناچیز مگر
کبرنا موت الکبری

ابنائے زمان

از رہ فخر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا
ہے وجود اے مبتذل تیرا برابر اور عدم
جنس تیری کس مپرسی اور قدر و قیمت تیری ہیچ
تیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونے کا غم
دے کے دھوکا تو اگر الماس بن جائے تو کیا
امتحاں کے وقت کھل جاتا ہے سب تیرا بھرم

سید احمد خاں کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خاں کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ آپ
کس لئے سید سے صاف اے حضرت والا نہیں
کافر و ملحد ہمیشہ اس کو ٹھہراتے ہیں آپ
ثابت اسلام اس کا نزدیک آپ کے گویا نہیں
آپ بھی (نام خدا) ہیں تارک صوم وصلوٰۃ
اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
خود نبوت پر ہنسے ہیں، ہم نے اپراد آپ کے
اور الوہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں
چشم بددور آپ کا بھی جب کہ ہے

مشرب وسیع

پھر یہ سیّد پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سن کے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے

بات یہ ہے سن لو صاحب تم سے کچھ پرواہ نہیں
رنج کچھ اس کا نہیں مجھ کو کہ وہ ایسا ہے کیوں
بلکہ ساری کوفت ہے اس کی کہ میں ویسا نہیں

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجیب طاری
جو تھا سو چشم پر نم، اپنا تھا یا پرا یا
دنیا سے اٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق
یہ کہہ کے شیخ کا دل بے ساختہ بھر آیا
ہم نے کہا مریدی باقی رہی نہ پیری
یہ کہہ کے ہم بھی روئے اور اس کو بھی رلایا

نیشن

ہے یہ مانی ہوئی جمہور کی رائے
اسی پر ہے جہاں کا اتفاق اب
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم ازکم
زباں جس کی ہو ایک، اور نسل ومذہب
مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہے
نہیں جو رائے میں اپنی مذبذب
وہ نیشن کہتے ہیں اس بھیڑ کو بھی
کہ جس میں وحدتیں مفقود ہوں سب
زباں اس کی نہ ہو مفہوم اس کو

ہوں آدم تک جدا سب کے جد و اَب
جو وحدہ لا شریک اس کا خدا ہو
تو لاکھوں اس کے ہوں معبود اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گزرا کہیں میلا کچیلا اک غلام
اس کے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت اس کو کی
عرض کی ایک اک رواں ہو جس بدن کا ملک غیر
اختیار اس کی صفائی کا نہیں رکھتے رہی
جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال
عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں یہی
کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہل معرفت
کوئی چیز اس کی نہیں سب امانت گور کی

رشک

ظاہر مردوں کی طینت میں نہیں رشک اس قدر
ہے طبیعت میں وہ جتنا عورتوں کے جا گزیں
ایک شاہزادی کہ جو اکلوتی تھی ماں باپ کی
تخت شاہی پر ہوئی بعد از پدر مسند نشیں
سلطنت میں اس کے تھا مردوں کی کلی اختیار
عورتیں اصلا دخیل اس کی حکومت میں نہ تھیں
مرد ہی تھے اس کے محرم مرد ہی اس کے مشیر

تھا نہ عورت کا پتہ اس کے دربار میں
تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم
ہنس کے فرمایا کہ اے دولت کے ارکان رکیں
مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس میں
بلکہ ہے انس اس لئے تم سے کہ تم عورت نہیں
بات کی حسن بیاں سے اس نے دی صورت بدل
تا کہ کوئی سوء ظن اس پر نہ کر بیٹھے کہیں
ورنہ یوں کہتی کہ ہے عورت کی سیرت سے مجھے
اس لئے نفرت کہ ہے مردوں کی صورت دل نشیں

شادی قبل از بلوغ

جب تک نہ شاہزادہ اٹھارہ سال کا ہو
تخت پدر پہ اس کو ممنوع ہے بٹھانا
قانون ہے بنایا یہ ان مقننوں نے
عالم میں آج کل جو مانے ہوئے ہیں دانا
لیکن کریں نہ اس کی قبل از بلوغ شادی
کہتے ہیں وہ عبث ہے قانون یہ بنانا
نزدیک ان کے گویا بر رغم عقل و دانش
ہے کنگڈم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ
قدر قلیل ہے سب مال ومنال دنیا
گویا کہ حرص اس کی اس سے بجھی نہیں ہے
ہے جس قدر فراہم پاس اس کے مال دنیا

اُمرا و عقلا

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خرد مند
وہ جانتے ہیں جو کہ ہے جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خبر دار نہیں ہیں
ملتے غفلا سے نہیں جو صاحب ثروت
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبا
بیمار کو کچھ اس کے سوا اس کی ہے حاجت

عصمت بی بی

اے بے نواؤ ہنستے ہو کیا منعموں پہ تم
اخلاق میں کچھ ان کے اگر آگیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو جبھی تک بچے ہوئے
ہو جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد وپیش
گر تم کو ہو نصیب تو دنیا کو دو اجاڑ

اپنا الزام دوسروں پر

ٹھوٹ کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسروں کا بھی یہ شیوہ ہے وقت باز پرس
اپنے ماتحتوں کے سر دیتے ہیں تھوپ اپنی خطا

خوشامد

خوشامد کرتے ہیں، آ کے جو لوگ
تمہاری ہر دم اے ارباب دولت
خو شامد پہ نہ ان کی بھولنا تم
وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک
نہیں ان میں سے تم میں ایک خصلت

خوبی کا بار، بار اظہار

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی
پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
ہو تا ہے اس سے کار نمایاں کوئی اگر
کرتا ہے بار، بار بیاں اس کو بر ملا
یہ تو وہ بھولتا نہیں، ہر گز کہ چاہیے
ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جدا
پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اس کو یاد

یاروں سے میں بیاں ابھی کر چکا ہوں کیا
بھولے نہ اپنی یاد پہ انساں کو چاہیے
آخر بشر کا خاصہ ہے سہو اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدائے ظریف
جہاں سے ہو کے گزرتے تھے ہر صغیر و کبیر
ہر اک سے ایک درہم مانگتا تھا بے کم وبیش
سخی ہو اس میں کہ ممسک، غریب ہو کہ امیر
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولت مند
کہ جس کا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر
ہوا جو ایک دن اس راہ سے گزر اس کا
درہم اک اس نے بھی چاہا کہ کیجیے نذر فقیر
کہا فقیر گو اپنی نہیں یہ عادت
کہ لیں درہم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر
پہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار
کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر
یہی اللے تللے رہے تو آپ کو بھی
ہماری طرح سے ہونا ہے ایک روز فقیر
سو وقت ہے یہی لینے کا خود بدولت سے
دکھائے دیکھیے پھر اس کے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اٹھ جائے دلیل و بحث سے
جو چلا آتا ہے باہم اہل مذہب میں اختلاف
ہو نہیں سکتا مطابق جب کہ دو گھڑیوں میں وقت
رفع ہو سکتے ہیں، پھر کیو نکر ہزاروں اختلاف

چنڈو بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا ہو شمیں جب
پوچھا ناصح نے کہ اس کام کا آخر انجام
بولا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرائے کی ٹھہرنا بے قدر
شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بد نام
جس سے عقبیٰ ہو درست ایسا نہ بونا کوئی بیج
جس سے دنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریز و پنہ تھا یوں نکتہ چیں
پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
چاہتے ہیں نفع پہنچے اپنے اہل ملک کو
گو کہ ان کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر
کار خانہ کا یہ راجس کے کبھی چاقو نہ لیں

اس کا ہو بے چارہ ہندی بیچنے والا اگر
خوردنی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں انہیں
ان کو لندن سے منگائیں،بس چلے ان کا اگر
الغرض اہل وطن کی پاس داری کو یہ لوگ
جانتے ہیں دین وایماں اپنا ،قصہ مختصر
سن کے حالی نے کہا ہے حصر انگریزوں پہ کیا
ایک سے ہے ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر
ہین محبت میں سب اندھے اپنی ،اپنی قوم کی
یہ وہ خسلت ہے کہ مجبول اس پہ ہے طبع بشر
ملکھیاں جیتی نگل جاتے ہیں پاس قوم میں
اچھے ،اچھے راست باز،اور حق پرست اور داد گر

مثنوی

جوانمردی

تھا کسی ملک میں اک دولت مند
حق نے تین اس کو دیئے تھے فرزند
دور و نزدیک تھا گھر، گھر چرچا
باپ بیٹوں کی جوانمردی کا
ہو چکا عمر کا جب سرمایہ
ایک دن باپ کے جی میں آیا
گھر ہے تکرار کا یہ دولت و زر
مشترک چھوڑ مرے اس کو اگر
جلد ہوجائے کہیں یہ تقسیم
آخراک روز ہے مرنا تسلیم
بس کہ تھا اس کو بہت فکر مآل
ایک دن بیٹھ کے سب مال ومنال
اک گراں مایہ جواہر کے سوا
تینوں بیٹوں کو وہیں بانٹ دیا
پھر کہا ان سے کہ اہل ہنر
باپ کی جان فدا ہو تم پر
تم میں جس سے ہو بڑا کوئی کام
یہ جواہر ہے امانت اس کی

باپ نے ان سے کہا جب یہ سخن
پھر تو تینوں کو لگی ایک ہی دھن

کہ کوئی کار نمایاں کیجیے
جس طرح ہو یہ جواہر لیجیے

اُن میں بیٹا جو بڑا تھا سب سے
اس کو یہ فکر سوا تھا سب سے

ایک دن اس کا کوئی واقف کار
کہ نہ تھا جس سے کچھ اخلاص نہ پیار

رکھ گیا آکے جوانمرد کے پاس
ایک بھاری سی رقم بے وسواس

تھے رقم سے وہی دونوں آگاہ
نہ نوشتہ تھا، کوئی اور نہ گواہ

کچھ بھی نیت میں اگر آجائے خلل
تو یہ تھا عین خیانت کا محل

جب رقم طلب کی اس نے اس سے
وسوسے دل میں بہت سے آئے

مگر اس شیر کی نیت نہ پھری
لی تھی جن ہاتھوں، انہی ہاتھوں دی

نفس سرکش کو کیا مات اس نے
دی رقم اور نہ دی بات اس نے

صاحب زر نے جو کچھ نذر کیا

وہ بھی اس دل کے غنی نے نہ لیا
باپ کو آن کے جب دی یہ خبر
ہنس کے فرمایا کہ اے جانِ پدر
اک برائی سے بچے ہو تم تو کیا
اس سے بڑھ کر بھی کوئی کام کیا
اک خیانت کے نہ کرنے پہ یہ ناز
شرم کی جا ہے تیری عمر دراز
منجھلے بیٹے نے پھر اک دن یہ کہا
میں جو دریا کی طرف جا نکلا
دیکھتا کیا ہوں کہ اک طفلِ صغیر
گر کے پانی میں چلا صورتِ تیر
تھا جہاں یار نہ کوئی یاور
ماں کا پہلو تھا نہ آغوشِ پدر
گرچہ تھا کام خطرناک بڑا
پر اسے دیکھ کے دل رہ نہ سکا
جان و تن کی نہ رہی مجھ کو خبر
جا پڑا نام خدا کا لے کر
ایک دم بھر میں گیا اور آیا
لا کے بیٹے کو دیا ماں سے ملا
باپ نے سن کے یہ سب اس سے کہا
کام مردوں کے یہی ہیں بیٹا

آدمیت کا کیا تم نے یہ کام
جاؤ بس یہی ہے اس کا انعام
فخر کی جا یہ میری جان کیا ہے
نہ ہوا تنا بھی تو انسان کیا ہے
پسر خرد کا اب سنیے بیاں
جو کہ تھا سب سے بزرگی میں کلاں
عرض کرتا ہے بصد عجز و نیاز
باپ سے اپنے کہ اے بندہ نواز
خوب اک روز گھٹا چھائی تھی
رات آدھی کے قریب آئی تھی
اک پہاری پہ چلا جاتا تھا
خوف چھاتی پہ چڑھا جاتا تھا
کوندی اک سمت سے بجلی ناگاہ
جس سے آگے کی وکھلی ران نگاہ
پڑی اک غار پہ واں میری نظر
جس کی صورت سے برستا تھا خطر
موت کھولے ہوئے تھی منہ گویا
جس کے دیکھے سے جگر ہلتا تھا
دیکھتا کیا ہوں کہ اک مرد غریب
جس کو روتے ہین کھرے اس کے نصیب
جان و تن کا نہیں کچھ نیند مین ہو

غار کے منہ پہ پڑا ہے مدہوش
اپنی ہستی کی نہیں اس کو خبر
اور قضا کھیل رہی ہے سر پر
اجل آجائے تو ہے روک نہ تھام
ایک کروٹ میں ہے بس کام تمام
مرد نکلا وہ شناسا میرا
تھا مگر خون کا پیاسا میرا
مجھ میں اور اس میں عداوت گہری
ایک مدت سے چلی آتی تھی
واں عداوت پہ گر آؤں اپنی
اور اصالت پہ نہ جاؤں اپنی
مارنا اس کا نہ تھا کچھ دشوار
اک اشارے میں وہ تھا لقمہ غار
آ گیا مجھ کو مگر خوفِ خدا
اور پہلو سے یہ دی دل نے صدا
مرتے کو مارنا بے دردی سے

ہے بہت دور جوانمردی سے

جی میں یہ کہہ کے بڑھا جانب غار
کہ اسے کیجیے چل کے بیدار
واں سے جا اس کو اٹھا لایا میں

موت کی زد سے بچ لایا میں
منہ کو دامن سے مگر ڈھانپ لیا
اسے کو شرمندہ احسان نہ کیا
سن کے دی باپ نے بیٹے کو دعا
اور چھاتی سے لیا اس کو لگا
پھر بڑے بیٹوں کو بلوا کے کہا
بولو اب کس سے ہوا کام بڑا؟
داستاں جب یہ سنی دونو نے
باپ سے یہ عرض کی دونو ں نے
خانہ زادوں کی ہو تقصیر معاف
پوچھئے ہم سے تو ہے یہ انصاف
جس جواہر کے طلبگار تھ ہم
اس کے لائق نہ حق دار تھے ہم
باپ یہ سن کے ہو ا شاد بہت
ان کے انصاف کی دی داد بہت
چھوٹے بیٹے کو بلا کر پھر پاس
پہلے خالق کا کیا شکر و سپاس
پھر جواہر اسے دے کر یہ کہا
لو یہ ہو تم کو مبارک بیٹا

مناجات بیوہ

(۱۸۸۴ء)

اے سب سے اول اور آخر
جہاں تہاں حاضر اور ناظر
اے سب داناؤں سے دانا
سارے تواناؤں سے توانا
اے بالا ہر بالا تر سے
چاند سے سورج سے امبر سے
اے سمجھے بوجھے بن سوجھے
جانے پہچانے بن بوجھے
سب سے انوکھے سب سے نرالے
اے اندھوں کی آنکھ کے تارے
اے لنگڑے لولوں کے سہارے
ناتیوں سے چھوٹے کے ناتی
ساتھیوں سے بچھڑوں کے ساتھی
ناؤ جہاں کی کھینے والے
دکھ میں تسلی دینے والیس
جب اب تب تجھ سا نہیں کوئی
تجھ سے ہیں سب تجھ سا نہیں کوئی
جوت ہے تیری جل اور تھل میں

باس ہے تیری پھول اور پھل میں
ہر دل مین ہے تیرا بسیرا
تو پاس اور گھر دور ہے تیرا
راہ تیری دشوار اور سکڑی
نام تیرا راہ گیر کی لکڑی
تو ہے ٹھکانہ مسکینوں کا
تو ہے سہارا غمگیوں کا
تو ہے اکیلوں کا رکھوالا
تو ہے اندھیرے گھر کا اجالا
لاگو اچھے اور برے کا
خواہاں کھوٹے اور کھرے کا
بید نراسے بیماروں کا
گاہک مندے بازاروں کا
سوچ میں دل بہلانے والا
بپتا میں یاد آنے والا
اے بے وارث گھروں کے وارث
بے بازو بے پروں کے وارث
بے آسروں کی آس ہے تو ہی
جاگتے سوتے پاس ہے تو ہی
بس والے ہیں یا بے بس ہیں
تو نہیں جن کا دھیان ہے تیرا

ساتھی جن کا دھیان ہے تیرا
دہرایت کی واں نہیں پرواہ
دل میں ہے جن کے تیری بڑائی
گنتے ہیں وہ پربت کو رائی
بے کس کا غم خوار ہے تو ہی
بری بنی کا یار ہے تو ہی
دکھیا، دکھی، یتیم اور بیوہ
تیرے ہی ہاتھ ان سب کا ہے کھیوا
تو ہی ڈبوئے تو ہی ترائے
تو ہی یہ بیڑے پار لگائے
تو ہی مرض دے تو ہی شفا دے
تو ہی دوا دارو میں شفا دے
تو ہی پلائے زہر کے پیالے
تو ہی پھر امرت زہر میں ڈالے
تو ہی دلوں میں آگ لگائے
تو ہی دلوں کی لگی بجھائے
چمکارے چمکار کے مارے
مارے مار کے پھر چمکارے
پیار کا تیرے پوچھنا کیا ہے
مار میں بھی اک تیری مزہ ہے
اے رحمت اور ہیبت والے

شفقت اور دباغت والے

اے اٹکل اور دھیان سے باہر

جان سے اور پہچان سے باہر

عقل سے کوئی پ انہیں سکتا

بھید تیرے حکموں میں ہیں کیا، کیا

ایک کو تو نے شاد کیا ہے

ایک کے دل کو داغ دیا ہے

اس سے نہ تیرا پیار کچھ ایسا

اس سے نہ تو بیزار کچھ ایسا

ہر دم تیری آن نئی ہے

جب دیکھو تب شان نئی ہے

یاں پچھوا ہے واں پرواہ ہے

گھر گھر تیرا حکم نیا ہے

پھول کہیں کملائے ہوئے ہیں

اور کہیں پھل آئے ہوئے ہیں۔

کھیتی ایک کی ہ یلہراتی

ایک کا ہر دم خون سکھاتی

ایک پڑے ہیں دھن کو ڈبوئے

ایک ہیں گھوڑے بیچ کے سوئے

ایک نے جب سے ہوش سنبھالا

رنج سے پڑا نہ اس کو پالا

ایک نے اس جنجال میں آ کر
چین نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر

مینہ کہیں دولت کا ہے برستا
ہے کوئی پانی تک کو ترستا

ایک کو مرنے تک نہیں دیتے
ایک اکتا گیا لیٹے، لیٹے

حال غرض دنیا کا یہی ہے
غم پہلے اور بعد خوشی ہے

رنج کا ہے دنیا کے گلہ کیا
تحفہ یہی لے دے ہے کے یاں کا

یاں نہیں بنتی رنج سہے بن
رنج نہیں سب ایک سے لیکن

ایک سے یاں رنج ایک ہے بالا
ایک سے ہے درد ایک نرالا

گھاؤ ہے گو ناسور کی صورت
پر اسے کیا ناسور سے نسبت

تپ وہی دق کی شکل ہے لیکن
دق نہیں رہتی جان لیے بن

دق ہو وہ یا ناسور کی صورت
دے نہ جواب امید کسی کو

روز کا غم کیونکر سہے کوئی

آس نہ جب باقی رہے کوئی
تو ہی کر انصاف اے میرے مولا
کون ہے جو بے آس ہے جیتا
گو کہ بہت بندے ہیں پر ارماں
کم ہیں یاں مگر مایوس ہیں جو یاں
خواہ دکھی ہے خواہ سکھی ہے
جو ہے اک امید اس کو بندھی ہے
کھیتیاں جن کی کھڑی ہیں سوکھی
آس وہ باندھے بیٹھے ہیں مینہ کی
گھاٹا جن کو اساڑھی میں ہے
ساونی کی امید انہیں ہے
ڈوب چکی ہے جن کی اگیتی
دیتی ہے ڈھارس ان کو پچھیتی
ایک ہے اس امید پہ جیتا
اب ہوئی بیٹی اب ہوا بیٹا
ایک کو جو اولاد ملی ہے
اس کو امنگ اب شادیوں کی ہے
رنج ہے یا قسمت میں خوشی ہے
کچھ ہے مگر اک آس بندھی ہے
غم نہیں ان کو گو غمگیں ہیں
جو دل نا امید نہیں ہیں

کال میں کچھ سختی نہیں ایسی
کال مین ہے جب آس سمیں کی
سہل ہے موجوں سے چھٹکارا
جب کہ نظر آتا ہے کنارا
پر نہیں اٹھ سکتی وہ مصیبت
آئے گی جس کے بعد نہ راحت
شاد ہو اس راہگیر کا کیا دل
مر کے کٹے گی جس کی منزل
ان اجڑوں کو کل پڑے کیو نکر
گھر نہ بسے گا جن کا جنم بھر
ان بچھڑوں کا کیا ہے ٹھکانہ
جن کو نہ ملنے دے گا زمانہ
اب یہ بلا ٹلتی نہیں ٹالی
مجھ پہ ہے جو تقدیر نے ڈالی
آئین بہت دنیا میں بہاریں
عیش کی گھر گھر پڑے پکاریں
پڑے بہت باغوں میں جھولے
ڈھاک بہت جنگل میں پھولے
گئیں اور آئیں چاندنی راتیں
برسیں کھلیں بہت برساتیں
پر نہ کھلی ہرگز نہ کھلے گی

وہ جو کلی مرجھائی تھی دل کی
اُس ہی کا یاں نام ہے دنیا
جب نہ رہی یہ ہی تو رہا کیا
ایسے بدیسی کا نہیں غم کچھ
جس کو نہ ہو ملنے کی قسم کچھ
رونا ان بن باسیوں کا ہے
دیس نکالا جن کو ملا ہے
حکم ہے تیرے پر نہیں چارا
کڑوی میٹھی سب ہے گوارہ
زور ہے کیا پتے کا ہوا پر
چاہے جدھر لے جائے اڑا کر
تنکا اک اور سات سمندر
جائے کہاں موجوں سے نکل کر
قسمت ہی میں جب تھی جدائی
پھر ٹلتی کس طرح یہ آئی
آج کی بگڑی ہو تو بنے بھی
ازل کی بگڑی خاک بنے گی
تو جو چاہے وہ نہیں ٹلتا
بندے کا یاں بس نہیں چلتا
مارے اور نہ دے تو رونے
تھپکے اور نہ دے تو سونے

ٹھہرے بن آتی ہے نہ بھاگے
تیری زبردستی کے آگے
تجھ سے کہیں گر بھاگنا چاہیں
بند ہیں چاروں کھونٹ کی راہیں
تو مارے اور خواہ نوازے
پڑی ہوں میں تیرے دروازے
تجھی کو اپنا جانتی ہوں میں
تجھ سے نہیں تو کس سے کہوں میں
ماں ہی سدا بچے کو مارے
اور بچہ، ماں ماں ہی پکارے
اے میرے زور اور قدرت والے
حکمت اور حکومت والے
میں لونڈی دکھیاری تیری
دروازے کی تیرے بھکاری
موت کی خواہاں جان کی دشمن
جان پہ اپنی آپ اجیرن
اپنے پرائے کی دھتکاری
میکے اور سسرال پہ بھاری
سہ کے بہت آزار چلی ہوں
دنیا سے بے زار چلی ہوں
دل پہ میرے داغ ہیں جتنے

منہ میں بول نہیں ہیں اتنے
دکھ دل کا کچھ کہہ نہیں سکتی
اس کے سوا کچھ کہہ نہیں سکتی
تجھ پہ روشن سب دکھ دل کا
تجھ سے حقیقت اپنی کہوں کیا
بیاہ کے دم پائی تھی نہ لینے
لینے کے یاں پڑ گئے دینے
خوشی میں بھی سکھ پاس نہ آیا
غم کے سوا کچھ راس نہ آیا
ایک خوشی نے غم یہ دکھائے
ایک ہنسی نے گل یہ کھلائے
کیسا تھا یہ بیاہ نناواں
جو نہی پڑا اس کا پرچھاواں
چین سے رہنے دیا نہ جی کو
کر دیا ملیا میٹ خوشی کو
رو نہیں سکتی تنگ ہوں یاں تک
اور روؤں تو روؤں کہاں تک
ہنس ہنس دل بہلاؤں کہاں تک
اوسوں پیاس بجھاؤں کیونکر
ایک کا کچھ جینا نہیں ہوتا
ایک نہ ہنستا بھلا نہ روتا

لیٹے گر سونے کے بہانے
پائینتی کل ہے اور نہ سرہانے
جاگیے بھی تو بن نہیں پڑتی
جاگنے کی آخر کوئی حد بھی
اب کل ہم کو پکڑے گی مر کر
گور ہے سونی سیج سے بہتر
بات سے نفرت کام سے وحشت
ٹوٹی آس اور بجھی طبیعت

آبادی جنگل کا نمونہ

دنیا سونی اور گھر سونا
دن بھیانک اور رات ڈرانی
یوں گزری ساری یہ جوانی
بہنیں اور ہمنیلیاں میری
ساتھ کی تھی جو کھیلیاں

میری

مل نہ سکیں جی کھول کے مجھ سے
خوش نہ ہوئیں ہنس بول کے مجھ سے
جب آئیں رو دھو کے گئیں وہ
جب گئیں بے کل ہو کے گئیں وہ
کوئی نہیں دل کا بہلاوا

آنہیں چکتا میرا بلاوا
آٹھ پہر کا ہے یہ جلاپا
کاٹوں گی کس طرح رنڈاپا
تھک گئی میں دکھ سہتے سہتے
تھم گئے آنسو بہتے بہتے
آگ کھلی دل کی نہ کسی پر

دیکھ کے چپ جانا نہ کسی نے

جان کو پھونکا دل کی لگی نے
دبی تھی بھوبھل میں چنگاڑی
لی نہ کسی نے خبر ہماری
قوم میں وہ خوشیاں بیاہوں کی
شہر مین وہ دھویں ساہوں کی
آئے دن تہواروں کا آنا
اور سب کا تہوار منانا
وہ چیت اور پھاگن کی ہوائیں
وہ ساون بھادوں کی گھٹائیں
وہ گرمی کی چاندنی راتیں
وہ ارمان بھری برساتیں
کس سے کہوں کس طور سے کاٹیں
خیر کٹیں جس طور سے کاٹیں

چاؤ کے اور خوشیوں کے سیمں
آتے ہین خوش کل جان کو ہو جب
رنج میں ہیں سامان خوشی کے
اور جلانے والے جی کے

گھر برکھا اور پیا بدیسی

آئیو برکھا کہیں نہ ایسی
دن یہ جوانی کے کٹے ایسے
باغ مین پنچھی قید ہو ایسے
رت گئی ساری سر ٹکراتے
اڑ نہ سکے پر ہوتے ساہے
ہو گی کسی نے کچھ کل پائی
مجھے تو شادی راس نہ آئی
آس بندھی لیکن نہ ملا کچھ
پھول آیا اور پھل نہ لگا کچھ
رہ گیا دے کر چاند دکھائی
چاند ہوا پر عید نہ آئی
رت بدلی پر ہوئی نہ برکھا
بادل گرجا اور نہ برسا
پھل کی خاطر برچھی کھائی
پھل نہ ملا اور جان گنوائی

ریت میں ذرے دیکھ چمکتے
دوڑ پڑی میں جھیل سمجھ کے
چاروں کھونٹ نظر دوڑائی
پر پانی کی بوند نہ پائی
اے دین اور دنیا کے مالک
راجا اور پرجا کے مالک
بے پر اور پر دار کے والی
اے سارے سنسار کے والی
پورب، پچھم، دکھن، اتر
بخشش تیری عام ہے گھر گھر
پیاؤ لگی ہے سب کے لئے یاں
خواہ ہو ں ہندو خواہ مسلماں
ہو نہ اگر قسمت نے کمی کی
کی نہیں بندی تو نے کسی کی
چیونٹا، کیڑا، مچھر، بھنگا
کچھوا، مینڈک، سیپ اور گھونگا
سارے پنچھی اور پکھیرو
مور، پپیہا، سارس، پیرو
بھیڑ ا ور بکری، شیر اور چیتے
تیرے جلائے سب ہیں جیتے
سب پہ کھلا ہے در رحمت کا

برس رہا ہے مینہ نعمت کا
خاک سے تو نے بیج اگائے
پھر پودے پروان چڑھائے
سیپ کو بخشی تو نے دولت
اور بخشا مکھی کو امرت
لکڑی میں پھل تو نے لگائے
اور کوڑے پر پھول کھلائے
ہیرا بخشا کان کو تو نے
مشک دیا حیوان کو تو نے
جگنو کو بجلی کی چمک دی
ذرے کو کندن کی دمک دی
دین سے تیری اے میرے مولا
سب ہیں نہال ادنیٰ اور اعلیٰ
عام ہے سب پر تیری رحمت
ہیں محروم مگر بد قسمت
پیڑ ہوں چھوٹے یا کہ بڑے یاں
فیض ہو اکا سب ہے یکساں
پھلتے ہیں جو ہیں پھلنے والے
جلتے ہیں جو ہیں جلنے والے
جب اپنی ہی زمین ہو کلر
پھر الزام نہیں کچھ مینہ پر

سب کو تیرے انعام تھے شامل
میں ہی نہ تھی انعام کے قابل
گر کچھ آتا بانٹ میں میری
سب کچھ تھا سرکار میں تیری
تھی نہ کمی کچھ تیرے گھر میں
نون کو ترسی میں سانجھر میں
راجا کے گھر پلی ہوں بھوکی
سدا برت سے چلی ہوں بھوکی
پھیروں سوچتی ہوں یہ جی میں
آئی تھی کیوں اس نگری میں
ہونے سے میرے فائدہ کیا تھا
کس لئے پیدا مجھ کو کیا تھا
آن کے آخر میں نے لیا کیا؟
مجھ کو مری قسمت نے دیا کیا؟
نین دیے اور کچھ نہ دکھایا
دانت دیے اور کچھ نہ چکھایا
جندڑی دی اور خوشی نہ بخشی
دل بخشا دل لگی نہ بخشی
رہی اکیلی بھری سبھا میں
پیاسی رہی بھری گنگا میں
چین سے جاگی اور نہ سوئی

میں نہ ہنسی جی بھر کے نہ روئی
آ کے خوشی سے چیز نہ پائی
جیسی آئی ویسی نہ آئی
کھایا تو کچھ مزہ نہ آیا
سوئی تو کچھ چین نہ پایا
پھول ہمیشہ آنکھ میں کھٹکے
اور پھل سدا گلے میں اٹکے
ہو نہ سکی کچھ دل سے عبادت
اور نہ جمی کاموں پہ طبیعت
کام سنوارا کوئی نہ یاں کا
اور نہ کیا دھندا کوئی واں کا
کام آیا یاں کوئی نہ میرے
اور نہ میں کام آئی کسی کے
قسمت نے جب سے منہ موڑا
آدمیوں کا ہو گیا توڑا

باپ اور بھائی، چچا، بھتیجے
سب رکھتی ہوں تیرے کرم سے
پر نہیں پاتی ایک بھی ایسا
جس کو ہو میری جان کی پرواہ
ناتوں میں شفقت نہیں پاتی

اپنوں میں اپنایت نہیں پاتی
گھر ہے یہ اک حیرت کا نمونہ
سو گھر والے اور گھر سونا
جس نے خدا کا خوف کیا کچھ
آ کے کبھی یاں پوچھ لیا کچھ
سو یہ خوشی کا دل کی ہے سودا
زور کسی پر اب نہیں اپنا
اس میں شکایت کیا ہے پرائی
اپنی ہی قسمت کی ہے برائی
چین اگر اپنی بانٹ میں آتا
کیوں تو عورت ذات بناتا
کیوں پڑتے ہم غیر کے پالے
کیوں ہوتے اوروں کے حوالے
آٹھ پہر کیوں دکھ یہ اٹھاتے
جیتے ہی جی کیوں مر جاتے
دکھ میں نہیں یاں کوئی کسی کا
باپ نہ ماں، بھائی نہ بھتیجا
سچ یہ کسی سائیں کی صدا تھی
سکھ سمپت کا ہر کوئی ساتھی
تیرے سوا اے رحم کے بانی
کون سنے یہ رام کہانی

ایک کہانی ہو تو کہوں میں
ایک مصیبت ہو تو سہوں میں
حال نہ ہو دشمن کا ایسا
میرا نازک حال ہے جیسا
کوئی نہیں لاگو اب میرا
باپ نہ بھائی ساس نہ سسرا
آنکھ میں ایک اک کے ہوں کھٹکتی
پر اپنے بس مر نہیں سکتی
ماں اور باپ عزیز اور پیارے
بے کل ہیں جینے سے ہمارے
رو کے پلک نم کر نہیں سکتی
ہنس کے غم غلط کر نہیں سکتی
روئیے تو سب روتے ہیں گھر کے
رونے نہیں دیتے جی بھر کے
ہنسیے تو ہنسنا عیب ہے ہم کو
کیونکہ الٰہی کاٹیے غم کو
گر سسرال میں جاتی ہوں میں
نحس قدم کہلاتی ہوں میں
میکے میں جس وقت ہوں آتی
رو، رو کر ہوں سب کو رولاتی
جب سے یہ دن قسمت نے دکھائے

نکلتے ہیں جو ہیں اپنے پرائے
میرا سدا ہنسنا اور رونا
بیٹھنا ، اٹھنا، جاگنا سونا
سوچ میں میرے سارا گھر ہے
میرے چلن پر سب کی نظر ہے
آپ کو ہوں ہر وقت مٹاتی
پہنتی اچھا میں ہوں نہ کھاتی
جانتی ہوں نازک ہے زمانہ
بات ہے اک یاں عیب لگانا
موتی کی سی آب ہے عزت
جا کے پھر نہیں آتی حرمت
مہندی میں نے لگانی چھوڑی
پٹی میں نے جمانی چھوڑی
کپڑے مہینوں میں ہو ں بدلتی
عطر نہیں میں بھول کے ملتی
سرمہ نہیں آنکھوں میں لگاتی
بال نہیں برسوں گندھواتی
دو دو چاند نہیں سر دھرتی
اٹھواروں کنگھی نہیں کرتی
کان میں پتے ہاتھ میں کنگھی
پہن چکی سب جب تھی سہاگن

پہنچیوں کا ارمان نہیں اب
چوڑیوں کا کچھ دھیان نہیں اب
اڑ گئیں دل کی سب وہ ترنگیں
چاؤ باقی رہے نہ امنگیں
آپ کو یاں تک میں نے مٹایا
پر دنیا کو صبر نہ آیا
وہم نے ہے اک اک کو گھیرا
جب دیکھو تب ذکر ہے میرا
کھینچ چکا ہے میرا مقدر
داغ بدی کا میری جبیں پر
مل جاؤں گی گر خاک میں بھی میں
بچ نہ سکوں طعنوں سے کبھی میں
سچ اگلے لوگوں نے کہا ہے
بد اچھا بدنام برا ہے
جینے سے گھبرا گئی ہوں میں
اس دم سے تنگ آ گئی ہوں میں
یوں نہ بری اس جان پہ بنتی
ماں مجھ کو اے کاش نہ جنتی
رہتے ہم انجان بلا سے
دنیا مجھ سے میں دنیا سے
اے بے آسروں کے رکھوالا

اے ڈوبے بیڑے کے کھویا
کچھ میری کشتی بانی
آ پہنچا ہے ڈباؤ پانی
اب تیرے گی ترائی تیری
ڈوبی نا ء ودہائی تیری
اے امبر کے چمکتے تارو
اے گھر کے در اور دیوارو
اے جانی پہچانی راتو
تنہائی کی ڈرائی راتو
اے نیک اور بد کے در بانو
دیکھتی آنکھوں سنتے کانوں
ایک دن اس گندی دنیا سے
جانا ہے مالک کے آگے
بوجھ ہیں واں سب تلنے والے
پتڑے سب کے کھلنے والے
جب واں پوچھ ہو تیری میری
تم سب دیجیو گواہی میری
مین نیکی کا دم نہیں بھرتی
پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی
کیونکہ خطا سے بچ سکتا ہے
جس نے کچا دودھ پیا ہے

خواہ ولی ہو خواہ رشی ہو
اس سے رہائی نہیں کسی کو
گنوں اگر میں اپنی خطائیں
ہے یہ یقین گنتی میں نہ آئیں
پر یہ خدا سے ڈر کے ہوں کہتی
منہ پہ یہ آئے بن نہیں رہتی
خواہ بری تھی خواہ بھلی میں
بات سے اپنے نہیں ٹلی میں
پڑی تھی جس بے دید کے پالے
ہوئی تھی جس بیری کے حوالے
نام پہ دھونی اس کے رما کر
آن کو رکھا جان گنوا کر
ساتھ نہ قوم اور دیس کا چھوڑا
اور نہ خدا کے عہد کو توڑا
آئے اگر دنیا کو نہ باور
اب مجھے کچھ دنیا کا نہیں ڈر
میرا نگہباں اور رکھوالا
سب سے بڑا جاننے والا
اے ایمان کے رکھنے والے
اے نیت کے پرکھنے والے
میں نہیں رکھتی کام کسی سے

چاہتی ہوں انصاف تجھی سے
حکم پہ چلتی تیرے اگر میں
چین سے کرتی عمر بسر میں
مانتی گر میں عقل کا کہنا
مجھ کو نہ پڑتا رنج یہ سہنا
کچھ نہ عدالت کا تھا ڈراوا
اور نہ مذہب کا اٹکاوا
ہے دستور یہی دنیا کا
آپ سے اچھا نام خدا کا
لیکن ہٹ یہ پیاروں کی تھی
مرضی غم خواروں کی یہی تھی
اپنے بروں کی ریت نہ ٹوٹے
قوم کی باندھی رسم نہ ٹوٹے
ہو نہ کسی سے ہم کو ندامت
ناک رہے کنبے کی سلامت
جان کسی کی جائے تو جائے
آن میں اپنی فرق نہ آئے
دم پہ بنے جو اس کو سہوں میں
لوٹتی انگاروں پہ رہوں میں
درد نہ ہو دل کا ظاہر
چپکے ہی چپکے کام ہو آخر

مر مٹوں اور کچھ منہ پر نہ لاؤں
جل بجھوں اور اف کرنے نہ پاؤں
گھٹ گھٹ کے دم اپنا گنوا دوں
جل جل کر آپ کو بجھا دوں
تجھ پہ ہے روشن اے میرے مولا
وقت یہ کیسا مجھ پہ پڑا تھا
بیڑا تھا منجدھار میرا
چار طرف چھایا تھا اندھیرا
تھاہ تھی پانی کی نہ کنارا
تیرے سوا تھا کچھ نہ سہارا
شرم ادھر مجھے دنیا کی تھی
فکر ادھر مجھے عقبیٰ کی تھی
روکتے تھے حملے مجھے دل کے
تھا مجھے جینا خاک میں مل کے
نفس سے تھی دن رات لڑائی
دور تھی نیکی پاس برائی
جان تھی میری آن کی دشمن
آن تھی میری جان کی دشمن
آن سنبھالے جان تھی جاتی
جان بچاتے آن تھی جاتی
طے کرنے تھے سات سمندر

حکم یہ تھا ہاں پاؤں نہ ہوں تر
کوئلہ چاروں کھونٹ تھا پھیلا
حکم یہ تھا پلا نہ ہو میلا
پیاس تھی لو تھی اور تھی کھر سا
اور دریا سے گزرنا پیاسا
دھوپ کی تھی پالے پہ چڑھائی
آگ اور گندھک کی تھی لڑائی
درد اپنا کس سے کہوں کیا تھا
آکے پہاڑ اک مجھ پہ گرا تھا
نفس سے ڈر تھا مجھ کو بدی کا
اس لئے ہردم تھی یہ تمنا
مر جاؤں یا زندہ رہوں میں
تجھ سے مگر شرمندہ نہ ہوں میں
جان بلا سے جائے تو جائے
پر کہیں دینی بات نہ آئے
کی نہ کسی نے میری خوشی گو
میں نے کیا ناخوش نہ کسی کو
بات کسی کی میں نے نہ ٹالی
اپنے ہی دم پر سب کی بلا لی
جان نہ سمجھا جان کو اپنی
دیا نہ جانے ان کو اپنی

قول پہ اپنی جمی رہی میں
ہوئی نہ ڈانوا ڈول کبھی میں
دل تھاما آپے کو سنبھالا
سانس تلک منہ سے نہ نکالا
اور نہ اگر کرتی میں ایسا
کیوں کر کرتی اور کرتی کیا
بن نہیں آتی دی سے بھاگے
کچھ نہیں چلتی دیس کے آگے
کہہ گئی سچ اک راج کمہاری
لاچاری پر پیت ہے بھاری
اے اچھے اور برے کی بھیدی
کھوٹے اور کھرے کی بھیدی
چھپی ڈھکی کے کھولنے والے
بری بھلی کے تولنے والے
بھید دلوں کے جاننے والے
پاپ اور پن کے چھاننے والے
عیب اور گن سب تجھ پہ ہیں روشن
پاپ اور پن سب تجھ پہ ہیں روشن
عیب نہ اپنا تجھ کو جتانا
ہے دائی سے پیٹ چھپانا
میں نہیں آخر پاک بدی سے

بنی ہوں پانی اور مٹی سے
تو نے بنایا تھا مجھے جیسا
چاہیے تھا ہونا مجھے ویسا
بس ہمیں جتنا تو نے دیا ہے
اُس سے سوا قدرت ہمیں کیا ہے
کان اور آنکھیں ہاتھ اور بازو
جن ہجن پر تھا یاں مجھے قابو
سب کو بدی سے میں نے بچایا
سب کو خودی سے میں نے مٹایا
اُٹھتے بیٹھتے روکا سب کو
سوتے جاگتے ٹوکا سب کو
ہاتھ کو ملنے دیا نہ بے جا
پاؤں کو چلنے دیا نہ ٹیڑھا
آنکھ کو اٹھنے دیا نہ اتنا
جس سے کہ پیدا ہو کوئی فتنہ
کان کو رکھا دور بلا سے
اوپری آوازوں کی ہوا سے
روک کے یوں اور تھام کے آیا
میں نے اپنا کاٹا رنڈاپا
ایک نہ سنبھلا میرا سنبھالا
تھا بے تاب جو اندر والا

حال کروں میں تجھ سے بیان کیا
حال ہے دل کا تجھ سے نہاں کیا
دھوپ تھی تیز اور ریت تھی تپتی
مچھلی تھی ایک اس میں تڑپتی
جان نہ مچھلی کی تھی نکلتی
اور نہ سر سے دھوپ تھی ٹلتی
گو دم بھر اس دل کی لگی نے
ٹھنڈا پانی دیا نہ پینے
تو ہے مگر اس بات کا دانہ
میں نے کہا دل کا نہیں مانا
زور تھا میرا دل پہ جہاں تک
میں نے سنبھالا دل کو وہاں تک
تھامنا دل کا کام تھا میرا
اور تھا نا کام تھا تیرا
پکڑے اگر تو دل کی خطا پر
میں راضی ہوں تیری رضا پر
رکھ تکلیف میں یا راحت میں
ڈال جہنم یا جنت میں
اب نہ مجھے جنت کی تمنا
اور نہ خطرہ کچھ دوزخ کا
آئے گی جنت راس کب اس کو

جلنے میں جس کی عمر کٹی ہو
ڈر دوزخ کا پھر اسے کیا ہو
جس نے رنڈاپا جھیل لیا ہو
پر تجھ سے اک عرض ہے میری
رد نہ ہو اگر درگاہ میں تیری
خوش ناخوش سب میں نے اٹھایا
مجھ ناچیز کی کیا ہے طاقت
جو منہ پہ کچھ لاؤں شکایت
عمر بہت سی کاٹ چکی ہوں
یہ دن بھی کٹ جائیں گے جوں توں
اپنے لئے کچھ کہہ نہیں سکتی
پر یہ کہے بن رہ نہیں سکتی
مین ہی اکیلی نہیں ہوں دکھیا
پڑی ہے لاکھون پر یہی بپتا
بس کے بہت یاں اجڑ گئے گھر
بن کے ہزاروں اجڑ گئے گھر
جلیں کروڑوں اسی لپٹ میں
پدموں پھنکیں اسی مرگھٹ میں
بالیاں ایک اک ذات کی لاکھوں
بیاہیاں ایک اک رات کی لاکھوں
ہو گئیں آخر اسی الم میں

کاٹ گئیں عمریں اسی غم میں
سیکڑوں بے چاری مظلومیں
بھولی ،نادانیں معصومیں
بیاہ سے انجان اور منگنی سے
بنے سے واقف اور نہ بنی سے
ماؤں سے جو منہ دھلواتی تھیں
رو،رو مانگ کے جو کھاتی تھیں
تھپک ،تھپک تھے جن کو سلاتے
گھرک ،گھرک تھے جن کو کھلاتے
جن کو نہ شادی کی تھی تمنا
اور نہ منگنی کا تھا تقاضا
جن کو نہ آپے کی تھی خبر کچھ
اور نہ رانڈاپے کی تھی خبر کچھ
بھلی سے واقف تھی نہ بری سے
بد سے مطلب تھا نہ بدی سے
رخصت چالے اور چوتھی کو
کھیل تماشا جاتی تھیں وہ
ہوش جنہیں تھارات نہ دن کا
گڑیوں کا سا بیاہ تھا جن کا
دو د ودن رہ ،رہ کے سہاگن
جنم جنم کو ہوئی بروگن

دولہا نے جانا نہ دلہن کو
دلہن نے پہچانا نہ سجن کو
دل نہ طبیعت شوق نہ چاہت
مفت لگا لی بیاہ کی تہمت
شرط سے پہلے بازی ہاری
بیاہ ہوا اور رہیں کنواری
سیلانی جب باغ میں آئے
پھول ابھی تھے کھلنے نہ پائے
پھول کھلے جس وقت چمن مین
جا سوئے سیلانی بن میں
پیت نہ تھی جب پایا پیتم
جب ہوئی پیت گنوایا پیتم
ہوش سے پہلے ہوئی میں بیوہ
کب پہنچے گا پار یہ کھیوا
خیر سے بچپن کا ہے رنڈاپا
دور پڑا ہے ابھی بڑھاپا
عمر ہے منزل تک پہنچانی
کاٹنی ہے بھر پور جوانی
شام کے مردے کا ہے یہ رونا
ساری رات نہیں اب سونا
آئی نہیں دنیا میں الٰہی

ایسی کسی بپڑے پہ تباہی
آئیں بلکتی گئیں سسکتی
رہیں ترستی اور پھڑکتی
کوئی نہیں جو غور کرے اب
نبض پہ ان کی ہاتھ دھرے اب
دکھ اُن کا آئے اور پوچھے
روگ ان کا سمجھے اور بوجھے
چوٹ نہ جن کے دل کو لگی ہو
وہ کیا جانیں دل کی لگی کو
بے دردوں سے پڑا ہے پالا
تو ہی ہے اب ان کا رکھوالا
اپنی بپتی ہے یہ کہانی
اب یہ دھان رہے بن پانی
اے غمخوار ہر بے کس کے
حامی ہر عاجز بے بس کے
ہے اپنے عاجز بندوں پر
پیار تیرا ماں باپ سے بڑھ کر
جس نے لگی میں تجھ کو پکارا
سامنے تیرے ہاتھ پسارا
پھرا نہ خالی اس چوکھٹ سے
گیا نہ پیاسا اس پنگھٹ سے

کس کو زمانے نے ہے ستایا
تو نہیں جس کے آڑے آیا
اجڑے کھیڑے تو نے بسائے
ڈوبے بیڑے تو نے ترائے
مظلومون کی داد کو پہنچا
قیدیوں کی فریاد کو پہنچا
بنجر ملک آباد کرائے
اور بردے آزاد کرائے
عام تری جب رحمت ٹھہری
دور ہے پھر رحمت سے تیری
داد ہر مظلوم کی دے تو
اور رانڈوں کی خبر نہ لے تو
عورت ذات کا تنہا جینا
ہر دم خون جگر کا پینا
گھر بسنے کی آس نہ رہنی
ساری عمر جدائی سہنی
ہے وہ بلا جو سہی نہ جائے
چپتا ہے جو کہی نہ جائے
قدر اس کی یا تو پہچانے
یا جس پر گزری وہ جانے
اے خاوند خداوندوں کے

مالک خاوند اور بندوں کے
واسطہ اپنی خاوندی کا
صدقہ اپنی خدا وندی کا
تو یہ کسی کو داغ نہ دیجیو
کسی کو بے وارث مت کیجیو
کیجیو جو کچھ تیری خوشی ہو
رانڈ مگر کیجیو نہ کسی کو
مسند، تکیہ، عزت، حرمت
نوکر، چاکر، دولت، حشمت
چاندی سونا، نقدی، غلا
گہنا، پاتا، ٹوم اور چھلا
سائیں بن جو چیز ہے گھر میں
خاک ہے سب عورت کی نظر میں
دل کی خوشی اک آس پہ تھی سب
سو وہ ہزاروں کوس گئی اب
پھول اب کچھ کانٹوں سے نہیں کم
جنت بھی ہوتو ہے جہنم
باغ نظر میں اس کی خزاں ہے
آنکھ میں تاریک اس کی جہاں ہے
عیش ہے اس کے واسطے ماتم
عید ہے اس کے حق میں محرم

جس دکھیا پر پڑے یہ پیتا
کر اسے تو پیوند زمیں کا
یا عورت کو پہلے جلا لے
یا دونوں کو ساتھ اٹھا لے
یا یہ مٹا دے ریت جہاں کی
جس سے گئی ہے پریت یہاں کی
جس سے ہوئے دل سیکڑوں بسمل
جس نے ہزاروں کر دیے گھائل
جس نے کلیجے آگ میں بھونیں
جس نے بھرے گھر کر دیے سونے
خوف دلوں سے کھو دیا جس نے
شرم سے دیدے دھو دیے جس نے
قوم کی جس بن آن ہے جاتی
دیس کی جس پر جان ہے جاتی
جس نے کیے دل رحم سے خالی
ریت ہے جو دنیا سے نرالی
قوم سے تو یہ ریت چھڑا دے
بندیوں کی بیری تو ترُا دے
سہل اور مشکل تجھ کو ہے یکساں
ہم کو ہے مشکل تجھ کو آساں
رنج اور دکھ قبضے میں ہے تیرے

چین اور سکھ قبضے میں ہے تیرے
ملتے ہیں پتے تیرے ہلائے
کھلتے ہیں غنچے تیرے کھلائے
مٹھی میں ہیں تیری ہوائیں
قابو میں ہیں تیری گھٹائیں
تجھ سے ہے دریا کی روانی
تیرے بہائے بہتے ہیں پانی
جھیل سمندر پربت رائی
کہنے میں ہے سب تیری خدائی
ناتا رشتہ نسبت شادی
سوگ رنڈاپا قید آزادی
قوم کی ریتیں، دیس کی رسمیں
کیا ہے وہ جو تیرے نہیں بس میں
کام کوئی مشکل نہیں تجھ کو
ایک یہ کیا گر تیری خوشی ہو
سوت لگے پتھر سے نکلے
ناؤ وگی تپتی میں چلنے
اے عزت اور عظمت والے
رحمت اور عدالت والے
دکھڑا تجھ سے کہنا دل کا
اک بشریت کا ہے تقاضا

دل پہ ہے جب برچھی کوئی چلتی
آہ کلیجے سے ہے نکلتی
جب کوئی دکھ یاد آجاتا ہے
جی بے ساختہ بھر آتا ہے
ورنہ ہے اس دنیا میں دھرا کیا
خواب کا سا اک ہے یہ تماشا
دکھ سے یاں کے گھبرانا کیا
سکھ پہ یاں کے اترانا کیا
عیش کی یاں مہلت ہے نہ غم کی
سب یہ نمائش ہے کوئی دم کی
آنی جانی چیز ہیں خوشیاں
چلتی پھرتی چھاؤں ہیں ارماں
منگنی بیاہ برات اور رخصت
میل ملاپ سہاگ اور سنگت
ہیں دو دن کے سب بہلاوے
آگے چل کر ہیں پچھتاوے
ریت کی سی دیوار ہے دنیا
اوچھے کا سا پیار ہے دنیا
بجلی جیسی چمکی ہے اس کی
پل دو پل کی جھلک ہے اس کی
پانی کا سا ہے یہ پچھارا

جگنو کا سا ہے چمکارا
آج ہے یاں جنگل میں منگل
کل سنسان پڑا ہے جنگل
آج ہے میلا ہر دم دونا
اور کل گاؤں پڑا ہے سونا
آج ہے رہنے کی تیاری
اور کل ہے چلنے کی باری
آج ہے پانا کل ہے کھونا
آج ہے ہنستا کل ہے رونا
کبھی ہے باد صبا کبھی ہے گھاٹا
کبھی جوار اور کبھی ہے بھاٹا
ہار کبھی اور جیت کبھی ہے
اس نگری کی ریت یہی ہے
ساتھ سہاگ اور سوگ ہے یاں کا
ناؤ کا سا سنجوگ ہے یاں کا
خوشی میں غم یاں ملا ہوا ہے
امرت میں بس گھلا ہوا ہے
سیر کو جو اس باغ میں آئیں
دیکھ کے پھل کو ہاتھ لگائیں
یاں ہر پھل اندرائن کا ہے
دیکھنے سے چکھنے میں برا ہے

عیش جنہوں نے سدا اڑائے
وہ بھی آخر کو پچھتائے

رہے ہیں گر کر چڑھے ہیں جو یاں
گھٹے ہیں آخر بڑھے ہیں جو یاں

جو بیاہے ہیں وہ پچھتاتے
بن بیاہے ہیں بیاہ مناتے

اس پھل کا ہے یہی پریکھا
جو نہیں چکھا وہی ہے میٹھا

خوش نہ ہوں خوشیوں کے متوالے
ہیں یہ نشے سب اترنے والے

غم کی گھٹا آتی ہے گرجتی
گھڑی میں یاں گھڑیال ہے بجتی

راہ گیروں کا بندھا ہے تانتا
ایک آتا ہے ایک ہے جاتا

جو آئے ہیں ان کو ہے جانا
جو گئے ان کو پھر نہیں آنا

خواہ ہوں رانڈ اور خواہ سہاگن
موت ہے سب کی جان کی دشمن

ایک سے گو آج ایک ہے بہتر
مر گئیں جب دونوں ہیں برابر

اور کوئی گر انصاف سے دیکھے

مر کے اسے نسبت نہیں اس سے
عیش گئی وہ چھوڑ کے یاں کے
قید گئی یہ کاٹ کے یاں سے
اس کو پڑی کل، اس کی گئی کل
یہ گئی ہلکی وہ گئی بوجھل
اس کا دل اس دنیا سے اٹھانا
ہے ناخن سے گوشت چھٹانا
جان یہ آساں دیتی ہے ایسے
بو ہے نکلتی پھول سے جیسے
غم ہو غرض یا عیش ہو کچھ ہو
ہے ہمیں جانا چھوڑ کے سب کو
تیرے سوا یاں اے میرے مولا
کوئی رہا ہے اور نہ رہے گا
پڑی تھی سوئی جب یہ نگریا
تیری ہی تھی یاں کھڑی اٹریا
پھر یہ نگریا اجڑ کے ساری
تیری ہی رہ جائے گی اٹاری
تھا نہ کچھ آگے تیرے سوا یاں
اور رہے گا کچھ نہ سدا یاں
یاں کوئی دن دکھ پایا تو کیا
اور کوئی دم سکھ پایا تو کیا

اب نہ مجھے کچھ رنج کی پرواہ
اور نہ آسائش کی تمنا
چاہتی ہوں اک تیری محبت
اور نہیں رکھتی کوئی حاجت
گھونٹ ایک ایسا مجھ کو پلا دے
تیرے سوا جو سب کو بھلا دے
آئے کسی کا دھیان نہ جی میں
کوئی رہے ارمان نہ جی میں
فکر ہو اچھی کی نہ بری کی
تیرے سوا دھن ہو نہ کسی کی
کوئی جگہ اس دل میں نہ پائے
یاد کوئی بھولے سے نہ آئے
سینہ یہ تجھ سے بھرا ہو سارا
میت سمائے اس میں نہ پیارا
دل نے یاں بہت مجھ کو ستایا
موت کا برسوں مزہ چکھایا
خواب میں دیکھا اک سوانگ نرالا
آگ میں جیتے جی مجھے ڈالا
میرا اور اپنا چین گنوایا
آپ جلا اور مجھ کو جلایا
اٹھ نہیں سکتے مجھ سے اب اک دم

یہ دنیا کی ناشدنی کے غم
دل میں لگن بس اپنی لگا دے
سارے غم اپنے غم میں کھپا دے
غیر کے رشتے توڑ دے سارے
دل کے پھپھولے پھوڑ دے سارے
جب مجھے تنہا کیا ہے پیدا
تو مجھے بندھوا کر نہ کسی کا
واں سے اکیلی آئی ہوں جیسی
ویسی ہی یاں سے جاؤں اکیلی
ساتھ کوئی غم لے کے نہ جاؤں
تیرے سوا کھو دوں جسے پاؤں
دل نہ پھرے دنیا میں بھٹکتا
کوئی رہے نہ کانٹا کھٹکتا
جی سے نشان پیاروں کا مٹا دوں
پیار کے منہ کو آگ لگا دوں
تو ہی ہو دل میں تو ہی زباں پر
مار کے جاؤں لات جہاں پر
پاؤں تجھے ایک اک کو گنوا کر
خاک میں جاؤں سب کو ملا کر

چپ کی داد

(۱۹۰۵ع)

اے ماؤں بہنو، بیٹیو دنیا کی عزت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہی قوموں کی عزت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں، دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تم ہو تو غربت ہے وطن، تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس، جینے کی حلاوت تم سے ہے

نیکی کی تم تصویر ہو، عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں، ایماں سلامت تم سے ہے

فطرت تمہاری ہے حیا، طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا، انسان عبارت تم سے ہے

مردوں میں ست والے تھے جو ست بیٹھے اپنا کب کا کھو
دنیا میں اے ست نیتو، لے دے کے اب ست تم سے ہے

مونس ہو خاوندوں کی تم، غم خوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب، گھر بھر کی برکت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی ڈھارس ہو تم بے کار کی
دولت ہو تم نادار کی، عسرت میں عشرت تم سے ہے

آتی ہو اکثر بے طلب، دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنی یاں گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

میکے میں سارے گھر کی تھیں، گو مالک و مختار تم
پر سارے کنبے کی رہیں بچپن سے خدمت گار تم
ماں باپ کے حکموں پہ تم تیلی کی طرح پھرتی رہیں
غمخوار باپوں کی رہیں، ماؤں کی تابعدار تم
دن بھر پکانا ریندھنا، سینا، پرونا، ٹانکنا
بیٹھیں نہ گھر میں باپ کے خالی کبھی زنہار تم
راتوں کو چھوٹے بھائی بہنوں کی خبر اٹھ، اٹھ کے لی
بچہ کوئی سوتے میں رویا اور ہوئیں بیدار تم
سسرال مین پہنچیں تو واں اک دوسرا دیکھا جہاں
جا اتریں گویا دیس سے پردیس میں اک بار تم
واں فکر تھی ہر دم یہاں ناخوش نہ ہو تم سے کوئی
اپنے سے رنجش کے کبھی پاؤ نہ واں آثار تم
بدلے نہ شوہر کی نظر سسرے کا دل میلا نہ ہو
آنکھوں میں ساس اور نند کی کھٹکو نہ مثلِ خار تم
پالا بروں سے گر پڑے، بدخواہ ہوں سب چھوٹے بڑے
چتون مین میل آنے نہ دو، گو دل میں ہو بے زار تم
غم کو غلط کرتی رہو، سسرال مین ہنس بول کر
شربت کے گھونٹوں کی طرح پیتی رہو خونِ جگر
شادی کے بعد ایک ایک کو تھی آرزو اولاد کی
تم پھنس گئیں جنجال میں خالق نے جب اولاد دی
دردوں کے دکھ تم نے سہے، جاپے کی جھیلیں سختیاں

جب موت کا چکھا مزہ تب تم کو یہ دولت ملی
میکے میں اور سسرال میں دل سب کے ہوئے باغ باغ
گھر میں اجالا تو ہوا پر تم پہ بپتا پڑ گئی
کھانا پہننا اوڑھنا، اپنا گئیں سب بھول تم
بچوں کے دھندے میں تمہیں اپنی نہ کچھ سدھ بدھ رہی
جب تک بھی سمجھو خیر تھی، جب تک بھلے چنگے تھے سب
پر سامنا آفت کا تھا گر ہو گیا ماندہ کوئی
سولی پہ دن کٹنے لگے، راتوں کی نیندیں اڑنے لگیں
اک ،اک برس کی ہو گئی، اک ایک پل اک اک گھڑی
بچوں کی سیوا میں تمہیں گزرے ہیں جیسے دس برس
قدر اس کی جانے گا وہی دم پر ہو جس کے یوں بنی
کی ہے مہم جو تم نے سر، مردوں کی اس کو کیا خبر
جانے پرائی پیڑ وہ جس کی بوائی ہو پھٹی
تھا پالنا اولاد کا مردوں کے بوتے کے سوا
آخر یہ اے دکھیاریو خدمت تمہارے سر پڑی
پید اگر ہوتیں نہ تم بیڑہ نہ ہوتا پار یہ
چیخ اٹھتے دو دن میں اگر مردوں پہ پڑتا بار یہ
لیتیں خبر اولاد کی مائیں نہ گر چھٹپن میں یاں
خالی کبھی کا نسل سے آدم کی ہو جاتا جہاں
یہ گوشت کا اک لوتھڑا پروان چڑھتا کس طرح
چھاتی سے لپٹائے نہ ہر دم رکھتی گر بچے کو ماں

وہ دین اور دنیا کے مصلح، جن کے واعظ اور پند سے
ظلمت میں باطل کی ہوا، دنی امیں نور حق عیاں
وہ علم اور حکمت کے بانی جن کی تحقیقات سے
ظاہر ہوئے عالم میں اسرار زمین و آسماں
وہ شاہ کشور گیر اسکندر کہ جس کی دھاک سے
تھے بید کی مانند لرزاں تاج داران جہاں
وہ فخر شاہان عجم کسریٰ کہ جس کے عدل کی
مشرق سے تا مغرب زبانوں پر ہے جاری داستاں
کیا پھول پھل یہ سب انہی کمزور پودوں کے نہ تھے
سینچا تھا ماؤں نے جنہیں خون جگر سے اپنے یاں
کیا صوفیان باصفا، کیا عارفان باخدا
کیا اولیا، کیا انبیا کیا غوث کیا قطب زماں
سرکار سے مالک کی جتنے پاک بندے ہیں بڑھے
وہ ماؤں کی گودوں کے زینے سے ہیں سب اوپر چڑھے
افسوس دنیا میں ہوئے تم پر بہت جور و جفا
حق تلفیاں تم نے سہیں، بے مہریاں جھیلیں سدا
اکثر تمہارے قتل پر قوموں نے باندھی ہے کمر
دیں تا کہ تم کو یک قلم خود لوح ہستی سے مٹا
گاڑی گئیں تم مدتوں مٹی میں جیتی جاگتی
حامی تمہارا تھا مگر کوئی نہ جز ذات خدا
زندہ سدا جلتی رہیں تم مردہ خاوندوں کے ساتھ

اور چین سے عالم رہا یہ سب تماشا دیکھتا

بیاہی گئیں اس وقت تم، جب بیاہ سے واقف نہ تھیں
جو عمر بھر کا عہد تھا وہ کچّے دھاگے سے بندھا

بیاہا تمھیں ماں باپ نے اے بے زبانو اس طرح
جیسے کسی تقصیر پہ مجرم کو دیتے ہیں سزا

گزری امید و بیم میں جب تک رہا باقی سہاگ
بیوہ ہوئیں تو عمر بھر پھر چین قسمت میں نہ تھا

تم سخت سے سخت امتحاں دیتی رہیں پر رائیگاں
کیں تم نے جانیں تک فدا کہلائیں پھر بھی بے وفا

گو صبر کا اپنے نہ کچھ تم کو ملا انعام یاں
پر جو فرشتے سے نہ ہو، وہ کر گئیں تم کام یاں

کی تم نے اس دار المحن میں جس تحمّل سے گزر
زیبا ہے گر کہیے تمھیں فخرِ بنی نوعِ بشر

جو سنگدل سفاک پیاسے تھے تمھارے خون کے
ان کی تو ہیں بے رحمیاں مشہور عالم میں مگر

تم نے چین اپنے خریداروں سے بھی پایا نہ کچھ
شوہر ہوں اس میں یا پدر، یا ہوں برادر یا پسر

الفت تمھاری کر گئی گھر دل میں جس بے دید کے
وہ بد گماں تم سے رہا، اے بد نصیبو عمر بھر

گو نیک مرد اکثر تمھارے نام کے عاشق رہے
پر نیک ہوں یا بد رہے سب متفق اس رائے پر

جب تک جیو تم علم و دانش سے رہو محروم یاں
آئی ہو جیسی بے خبر ویسی ہی جاؤ بے خبر

تم اس طرح مجہول اور گمنام دنیا میں رہو
ہو تم کو دنیا کی، نہ دنیا کو تمہاری ہو خبر

جو علم مردوں کے لئے سمجھا گیا آبِ حیات
ٹھہرا تمہارے حق میں وہ زہر ہلاہل سر بسر

آتا ہے وقت انصاف کا نزدیک ہے یوم الحساب
دنیا کو دینا ہو گا ان حق تلفیوں کا واں جواب

گزرے تھے جگ تم پر کہ ہمدردی نہ تھی تم سے کہیں
تھا منحرف تم سے فلک، برگشتہ تھی تم سے زمیں

دنیا کے دانا اور حکیم اس خوف سے لرزاں تھے سب
تم پر مبادا علم کی پڑ جائے پر چھائیں کہیں

ایسا نہ ہو مرد و عورت میں رہے باقی نہ فرق
تعلیم پا کر آدمی بننا تمہیں زیبا نہیں

یاں تک تمہاری ہجو کے گائے گئے دنیا میں راگ
تم کو بھی دنیا کی کہن کا آگیا آخر یقیں

علم و ہنر سے رفتہ، رفتہ ہو گئیں مایوس تم
سمجھ لیا دل کو کہ ہم خود علم کے قابل نہ تھیں

جو ذلتیں لازم ہیں دنیا میں جہالت کے لئے
وہ ذلتیں سب نفس پر اپنے گوارہ تم نے کیں

سمجھا نہ تم کو ایک دن مردوں نے قابل بات کے

تم بے وفا کہلائیں،لیکن لونڈیاں بن کر رہیں
آخر تمہاری چپ دلوں میں اہل دل کے چبھ گئیں
سچ ہے کہ چپ کی داد آخر بے ملے رہتی نہیں
بارے زمانہ نیند کے ماروں کو لایا ہوش میں
آیا تمہارے صبر پر دریائے رحمت جوش میں
نوبت تمہاری حق رسی کی بعد مدت آئی ہے
انصاف نے دھندلی سی اک اپنی جھلک دکھلائی ہے
گو ہے تمہارے حامیوں کو مشکلوں کا سامنا
پر حل ہر اک مشکل یونہی دنیا میں ہوتی آئی ہے
اٹکے ہیں روڑے چلتی گاڑی میں سدا سچائی کے
پر فتح جب پائی ہے سچائی نے آخر پائی ہے
اے بے زبانوں کی زبانو، بے بسوں کے بازو و
تعلیم نسواں کی مہم جو تم کو اب پیش آئی

ہے

یہ مرحلہ آیا ہے تم سے پہلے جن قوموں کو پیش
منزل پہ گاڑی ان کی استقلال نے پہنچائی ہے
ہے رائی بھی پربت اگر دل مین نہیں عزم درست
پر ٹھان لی جب جی میں پھر پربت بھی ہو تو رائی ہے
یہ جیت بھی کیا کم ہے خود حق ہے تمہاری پشت پر
جو حق پہ منہ آیا آخر اس نے منہ کی کھائی ہے
جو حق کے جانبدار ہیں بس ان کے بیڑے پار ہیں

بھوپال کی جانب سے یہ ہاتف کی آواز آئی ہے

ہے جو مہم درپیش دست غیب ہے اس میں نہاں

تائید حق کا ہے نشاں امداد سلطان جہاں

مثنوی برکھارت

کل شام تلک تو تھے یہی طور
پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
پروا کی دہائی پھر رہی ہے
پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پہ برپا
ہے ابر کی فوج آگے آگے
اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے
ہیں رنگ برنگ کے رسالے
گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے
ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی
اک آتی ہے فوج ایک جاتی
جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے
ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے
توپوں کی ہے جب کہ باڑ چلتی
چھاتی ہے زمین کی دہلتی
مینہ کا ہے زمیں پہ دریڑہ
گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا
بجلی ہے کبھی جو کوندجاتی

آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی
گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں
جنت کی ہوائیں آ رہی ہین
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی
قدرت ہے نظر خدا کی آتی
سورج نے کیا ہے غسل صحت
کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
بٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار
انکل سے ہیں راہ چلتے راہوار
ہے سنگ وشجر کی ایک وردی
عالم ہے تمام لاجوردی
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار
دولہا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل
ہے گونج رہا تمام جنگل
کرتے ہیں پپیہے پیہو، پیہو
اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی
گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے
سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے

کم باغوں میں جا بجا گڑے ہیں
جھولے ہیں کہ سو بسو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن
جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری
اور جھول رہی ہیں باری، باری
جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی
جنگل کو ہیں سر پہ وہ اٹھاتی
اک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے
اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے ان میں کوئی سالار گاتی
اور دوسری ہے پینگ چڑھاتی
گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا
کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا
اک جھولے سے وہ گری ہے جا کر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر
ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں
تیراکیوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
گھڑ ناؤ پہ ہے اسوار کوئی
اور تیر کے پہنچا پار کوئی
بگلوں کی ہیں ڈاریں آگے گرتیں

مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
چکلے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے
دن بھر میں ہیں بیڑے جا کے لگتے
زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی
موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی
ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں
موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں
ملاحوں کے اڑ رہے ہیں اوساں
بیڑے کا خدا ہی ہے نگہباں
منجدھاروں کی رو بھی زور پر ہے
مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے
بیزار اک اپنی جان و تن سے
بچھڑا ہوا صحبت وطن سے
غربت کی صعوبتوں کا مارا
چلنے کا نہیں ہے جس کو یارا
غمخوار ہے اور نہ کوئی دل جو
اک باغ میں پڑا ہے لب جو
ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی
آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی
ابر اتنے ہیں اک طرف سے اٹھا
اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا

برق آکے لگی تڑپنے پیہم
اور پڑنے لگی پھوار کم کم
آنے جو لگے ہوا کے جھونکے
تھے جتنے سفر کے رنج بھولے
سامان ملے جو دل لگی کے
یاد آئے مزے کبھی کبھی کے
دیکھے کوئی اس گھڑی کا عالم
وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم
وہ آپ ہی آپ گنگنانا
اور جوش میں آکے کبھی گانا
اے چشمہ آب زندگانی
گھٹیو نہ کبھی تیری روانی
جاتی ہے جدھر تیری سواری
بستی ہے اس طرف ہماری
پائے جو کبھی میری سبھا کو
دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو
اول کہیو سلام میرا
پھر دیجیو پیام میرا
قسمت مین یہی تھا اپنے لکھا
فرقت میں تمہاری آئی برکھا

ختم شد